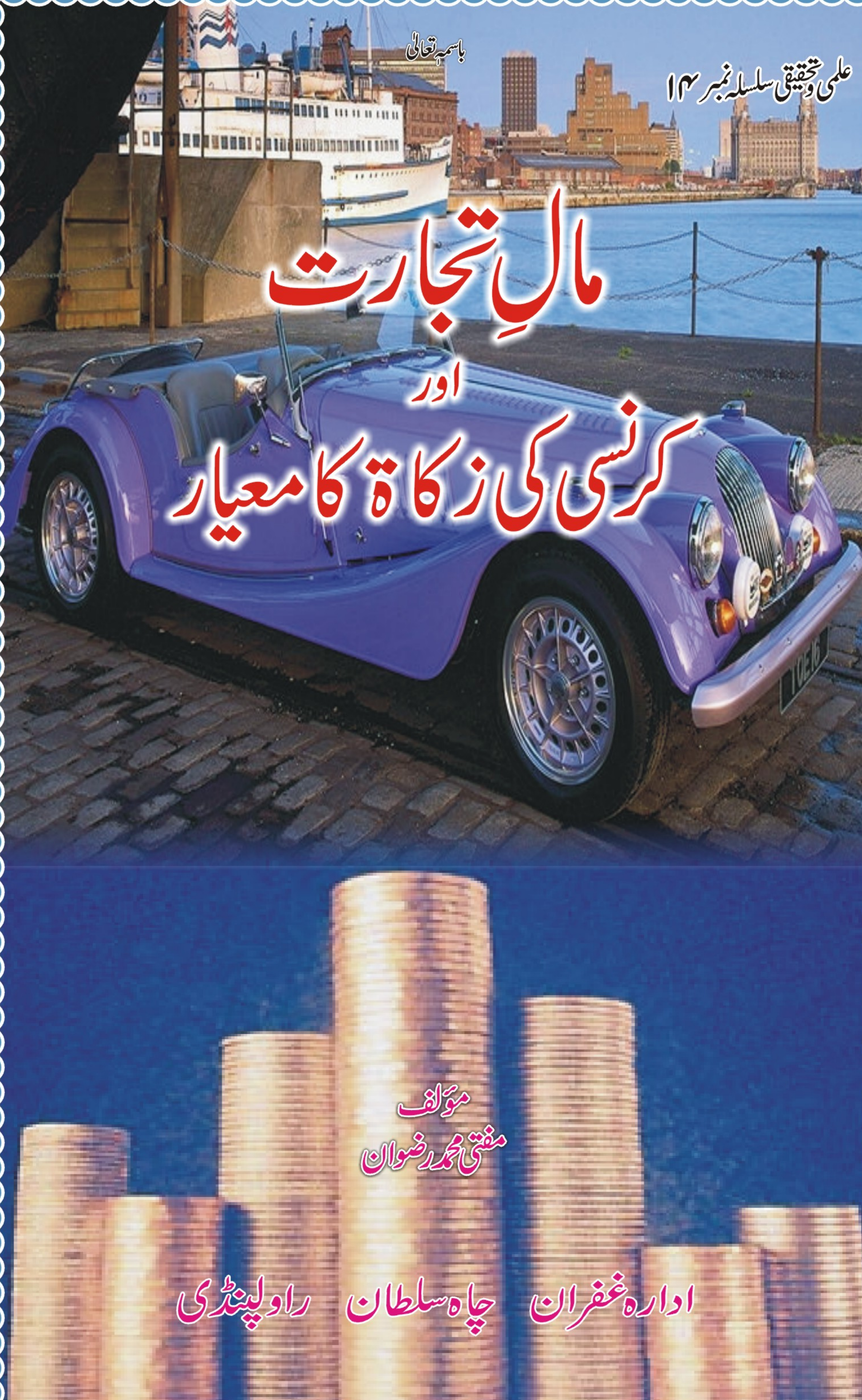


باسمہٖ تعالیٰ

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۱۴

مالِ تجارت
اور
کرنسی کی زکاۃ کا معیار

مؤلف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

باسمہٖ تعالیٰ

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر(۱۴)

مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار

بجواب

اموالِ تجارت اور مروّجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی؟

سونے وچاندی کے نصاب کی مالیت میں موجودہ غیر معمولی تفاوت کی صورت میں اموالِ تجارت اور کرنسی میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے معیار سونا ہے یا چاندی؟

اور زکوٰۃ وصدقات کا مستحق نہ ہونے اور صدقۂ فطر وقربانی واجب ہونے کے لیے اموالِ تجارت، مروَّجہ کرنسی اور حاجتِ اصلیہ سے زائد مال میں سونے کے نصاب (ساڑھے سات تولہ) کی مالیت کے برابر ہونا ضروری ہے یا چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ) کی مالیت کا ہونا کافی ہے؟ اس سلسلے میں علماء وفقہاء کی آراء اور بعض اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس سلسلے میں پیش کردہ تحلیل وتجزیے پر ایک نظر

علمی وتحقیقی سلسلہ پر اہلِ علم حضرات کی آراء وتبصرے

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

اداہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

نام کتاب: مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار
ترتیب و تحقیق: مفتی محمد رضوان
طباعتِ اوّل: شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ، اکتوبر 2008ء
طباعت چہارم: شوال ۱۴۳۰ھ، اکتوبر 2009ء
طابع و ناشر: ادارہ غفران راولپنڈی
قیمت: روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان
فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ملک کے معروف ادارے (دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک) سے تعلق رکھنے والی ایک علمی شخصیت (حضرت مولانا مفتی محمد مختار اللہ حقانی صاحب زید مجدہم) نے ایک رسالہ بنام:

''اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی''

تحریر فرمایا ہے، جس میں کرنسی اور مالِ تجارت میں چاندی کے بجائے سونے کو معیارِ نصاب بنانے پر اپنا رجحان ظاہر فرمایا اور اس پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔

بندہ نے اس رسالہ کے چند مندرجات پر **قولہ**، **اقول** کا عنوان قائم کرکے اپنی بساط کے مطابق اس مضمون پر کچھ تحریر کرکے مذکورہ مصنف صاحب کی خدمت میں رائے حاصل کرنے کے لئے جوابی لفافے کے ساتھ ارسال کیا تھا، لیکن مدتِ دراز گذرنے اور دوبارہ مراجعت کرنے کے باوجود تاحال جواب موصول نہیں ہوسکا۔ یہ موضوع کیونکہ اسلام کے اہم فریضے ''زکوٰۃ'' اور اس کے بعد اسلام کے دیگر احکام ''قربانی، صدقۂ فطر، مستحقِ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ'' سے متعلق ہے، اس لئے موضوع کی اہمیت اور نزاکت کے پیشِ نظر مسئلہ ھٰذا کے جملہ پہلوؤں کا خوب اچھی طرح جائزہ لینا اور علمائے عصر کی آراء پر نظر ڈال لینا ضروری ہے، اگرچہ مولانا موصوف نے اپنی تحریر میں متعدد اہلِ علم حضرات کی آراء کو بحث وتمحیص کا حصہ بنانے کا اہتمام فرمایا ہے اور تصنیف کے آغاز میں متعدد اہلِ علم حضرات کی تقاریظ وتصدیقات بھی شامل فرمائی ہیں، لیکن تاحال اس مسئلہ کی شبہات سے پاک ہوکر تشنگی ختم نہیں ہوئی، دیگر اہلِ علم حضرات کو مسئلہ ھٰذا کی تحقیق کرتے وقت اس کے جملہ مالہٗ وما علیہا کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسئلہ ہٰذا کی تحقیق کرتے وقت دینِ اسلام اور شریعتِ مطہرہ کی دیگر اصولی تعلیمات بھی زد میں آجائیں۔

بے شک مالِ تجارت اور کرنسی کا نصاب انفع للفقراء کی جہت سے متعین کرنے کا مسئلہ من وجہٍ مجتہد فیہ ہوسکتا ہے، اور حالاتِ زمانہ کی وجہ سے اہلِ علم حضرات اجتماعی انداز میں مجتہد فیہ امور میں غور فرماسکتے ہیں۔ لیکن آج کل مجتہد فیہ مسائل میں حالاتِ زمانہ یا اقتضاءِ زمانہ کے تحت غور وفکر

کرنے کا جو طریقہ چل نکلا ہے کہ بجائے اس کے کہ حالاتِ زمانہ کے اقتضاء کے پیشِ نظر مجتہد فیہ امور میں یسر وسہولت کی راہ نکالیں، براہِ راست اصل مسئلہ کا آپریشن شروع کر دیتے ہیں، اور جب تک اس مسئلہ کی بنیاد ہی کو منہدم نہیں کر دیتے، اپنے مدعا کو غیر مؤثر سمجھتے ہیں، یہ طرزِ عمل نہایت خطرناک ہے، ہمارے اکابر نے بھی ضرورت پڑنے پر مجتہد فیہ مسائل میں بعض مخصوص شرائط کے ساتھ یسر کا راستہ نکالا ہے، لیکن اس انداز میں نہیں کہ اصل مذہب اور شرعی اصولوں کو سرے سے مرجوح بلکہ فاسد اور باطل قرار دے کر دوسری طرف رُخ کیا جائے جیسا کہ آج کل اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور منوانے کے لئے ایسے حربے، یا طریقے اور اندازِ استدلال تلاش کئے جاتے ہیں جن سے منصوص احکام میں تبدیلی بلکہ ان منصوصات کے (نعوذ باللہ) غلط اور مبنی بر غیر مصلحت ہونے کا تأثر ظاہر ہوتا ہے، اور اس انداز سے براہِ راست اسلام کے احکام پر زد پڑتی ہے، یہ طریقہ اسلامی اجتہاد، صحیح فقہی ذوق اور اسلاف کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔

دراصل اس انداز کی بنیاد مصلحت پرستی کے اس مزین و منقش فتنہ پر ہے جو مستشرقین کا ایجاد کردہ ہے، جس سے مخالفین اور باطلین کو اسلامی احکام پر چہ میگوئیوں اور فتنہ پردازی کا موقع ملتا ہے۔

اسی وجہ سے رسالہ ھٰذا کے مذکورہ انداز کے پیشِ نظر نقد کرتے ہوئے ''جناب مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی صاحب زید مجدہم'' (فاضلِ دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

> ''بہر حال مضمون کے پہلے حصے کے بعد باقی مضمون سے غلط تأثرات پیدا ہو سکتے ہیں، اور جن سے اہلِ باطل اور اہلِ زیغ اور سیاست پرست غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اس لئے اپنی مخلصانہ اور نیاز مندانہ درخواست یہ ہے کہ مابعدِ اول حصہ پر صاحبِ مضمون کا بمع مؤیدین کے نظرِ ثانی کرنا مناسب بلکہ ضروری خیال کرتا ہوں، بصورتِ دیگر خدانا کردہ اس کی ذمہ داری...... (مذکورہ ادارے)...... اور ان کے سرپرستوں پر عنداللہ وعندالناس عائد ہوگی، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل'' (ماہنامہ القاسم صفحہ نمبر ۱۹، شمارہ ۷، جلد ۸، رمضان ۱۴۲۵ھ)

آنے والے مضمون میں مذکورہ رسالے کے اسی قسم کے انداز اور بعض نامناسب دلائل پر نقد وتبصرہ کیا گیا ہے، اور بندہ نے اپنی حسبِ عادت اس نقد وتبصرے میں حتی الامکان دیگر اہلِ علم واکابر فقہاء کی عبارات سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کی اس لیے اشاعت مناسب سمجھی گئی تاکہ دیگر اہلِ علم حضرات دونوں طرف کی آراء پر غور فرمائیں۔ محمد رضوان۔ ۲۳/۱۰/۱۴۲۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مالِ نامی وغیر نامی کے اعتبار سے نصاب کی قسمیں

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ فقہائے کرام بالخصوص فقہائے احناف نے غناء کے تحقق کے لیے مال کو ''نامی'' اور ''غیر نامی'' دو حصوں میں تقسیم فرما کر اُن کے ساتھ دو قسم کے نصابوں کو وابستہ کیا ہے: ایک زکوٰۃ کا نصاب، جو مالِ نامی کے ساتھ خاص ہے، دوسرے صدقۂ فطر اور قربانی کا نصاب جو مذکورہ دونوں قسم کے مالوں کو شامل ہے، گویا کہ زکوٰۃ کا نصاب خاص ہے اور صدقۂ فطر وقربانی کا نصاب عام ہے، اور چونکہ فی الجملہ غناء کا تحقق مذکورہ عام نصاب سے بھی ہو جاتا ہے، اس لیے اس عام نصاب کا مالک زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا بھی مستحق نہیں۔

اس تفصیل کے پیشِ نظر زکوٰۃ درج ذیل چار قسم کے مالوں پر فرض ہے:

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) روپیہ پیسہ (کرنسی) (۴) تجارت کا مال

پس جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی یا تجارت کا سامان میں سے کوئی ایک چیز یا یہ چاروں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

اور قربانی وصدقۂ فطر واجب ہونے اور زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا مستحق نہ ہونے میں ان چار چیزوں کے علاوہ ضرورت سے زیادہ چیزوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے قربانی وصدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ قسم کے مالوں کا اعتبار کیا جاتا ہے:

(۱) سونا (۲) چاندی (۳) روپیہ پیسہ (کرنسی) (۴) تجارت کا مال (۵) ضرورت سے زیادہ سامان۔

پس جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا نقدی یا تجارت کا

سامان یا ضرورت سے زیادہ سامان میں سے کوئی ایک چیز یا یہ پانچوں یا ان میں سے بعض چیزوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اپنی دیگر شرائط کے پائے جانے پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہے اور ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ یا کوئی واجب صدقہ لینا بھی جائز نہیں۔ [1]

اب تک فقہائے احناف اور اکابر کی طرف سے مذکورہ تفصیل کے مطابق زکاۃ اور قربانی وغیرہ کے نصاب کا مسئلہ بیان کیا جاتا رہا ہے، لیکن موجودہ دور میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں غیر معمولی فرق کے پیشِ نظر بعض حضرات نے کرنسی اور مالِ تجارت میں زکاۃ وقربانی کے نصاب کو ساڑھے سات تولہ سونے کے ساتھ وابستہ کیا ہے، جس سے علی الاطلاق ہمیں اتفاق نہیں، جس پر بحث آگے آتی ہے۔

نصابِ زکوٰۃ امورِ تعبدیہ میں سے ہے

کیونکہ زکوٰۃ کا نصاب اور اُس کی مالیت ہی پر ہماری آنے والی بحث کا اصل مدار ہے، اس لیے اس کے متعلق تمہیداً چند باتیں عرض ہیں، تاکہ اصل مسئلہ کی حقیقت ذہن میں رہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے دونوں نصاب اپنی اپنی جگہ نقل سے ثابت ہیں، جن میں عقل سے تغیر وتبدل کرنا درست نہیں۔

---

[1] ومنها الغنى لما روى عن رسول الله انهٗ قال من وجد سعة فليضح، شرط عليه السلام السعة وهى الغنى ولانا لو اوجبنا ها بمطلق المال ومن الجائز ان يستغرق الواجب جميع ماله فيؤدى الى الحرج فلابد من اعتبار الغنى وهو ان يكون فى ملكه مائتا درهم او عشرون ديناراً او شئ تبلغ قيمتهٗ ذالک سوى مسكنه ومايتأثث به وكسوتهٖ وخادمه وفرسه وسلاحه ومالايستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر وقد ذكرناه ومايتصل به من المسائل فى صدقة الفطر ،ولوكان عليه دين بحيث لو صرف اليه بعض نصابه ينقص نصابه لاتجب لان الدين يمنع وجوب الزكاة فلان يمنع وجوب الاضحية اولىٰ ،لان الزكاة فرض والاضحية واجبة والفرض فوق الواجب (البدائع الصنائع، جلد ۵ صفحه ۶۴، فصل فى شرائط وجوب فى الاضحية)

ثم اليسار المعتبر لايجاب زكاة الفطر ان يملک مأتى درهم او يساوى مأتى درهم من الدراهم التى تغلب النقرة فيها على الغش فضلاً عن حاجتهٖ ويتعلق بهٰذا اليسار احكام ثلاثة ،حرمة اخذ الصدقة ووجوب زكاة الفطر والأضحية (المبسوط ،باب صدقة الفطر)

کیونکہ یہ امرِ تعبدی ہے اور امورِ تعبدی شریعت کے ایسے احکام کو کہا جاتا ہے جو نہ صرف یہ کہ عقل کی بنیاد پر حل نہیں ہوتے بلکہ ظاہراً عقل کے بھی خلاف معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ پیشاب و پاخانہ اور ریح یا خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وضو میں ایسے اعضاء کو دھونے کا حکم ہے جہاں سے کوئی نجاست بھی برآمد نہیں ہوتی اور یہ اعضاء پہلے سے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے سوال کے سلسلہ میں چند باتیں سمجھ لینا ضروری ہے۔

اول...... کس مال میں کتنی مقدار واجب الادا ہے؟ کس مال میں کتنے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ یہ بات محض عقل و قیاس سے معلوم نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لئے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مال کا جو نصاب مقرر فرمایا ہے اس کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں ردو بدل کی گنجائش نہیں، ٹھیک اسی طرح، جس طرح کہ نماز کی رکعات میں ردو بدل کی گنجائش نہیں۔

دوم...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کا نصاب دوسو درہم (یعنی ساڑھے باون تولے یعنی تقریباً ۶۱۲،۳۵ گرام) اور سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولے یعنی تقریباً 87.5 گرام) مقرر فرمایا ہے، اب خواہ سونے چاندی کی قیمتوں کے درمیان وہ تناسب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا قائم رہے یا نہ رہے سونے چاندی کے ان نصابوں میں تبدیلی کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ جس طرح فجر کی نماز میں دو کے بجائے چار رکعتیں اور مغرب کی نماز میں تین کے بجائے دو یا چار رکعتیں پڑھنے کا کوئی اختیار نہیں۔

سوم...... جس کے پاس نقد روپیہ پیسہ ہو یا مالِ تجارت ہو یہ تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے سونے چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو معیار بنانا ہوگا۔ رہا یہ کہ چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے یا سونے کے نصاب کو؟ اس کے لئے فقہائے امت نے

جو درحقیقت حکمائے امت ہیں۔ یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے ساتھ بھی نصاب پورا ہو جائے اسی کو معیار بنایا جائے گا۔ مثلاً چاندی کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے۔ مگر سونے سے نصاب پورا نہیں ہوتا (اور یہی آپ کے سوال کا بنیادی نکتہ ہے) تو چاندی کی قیمت سے حساب لگایا جائے گا۔ اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ فقراء کے نفع کے لئے ہے۔ اور اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے۔ دوم یہ کہ اس میں احتیاط بھی زیادہ ہے۔ کہ جب ایک نقدی (یعنی چاندی) کے ساتھ نصاب پورا ہو جاتا ہے اور دوسری نقدی (یعنی سونے) کے ساتھ پورا نہیں ہوتا تو احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نقدی کے ساتھ نصاب پورا ہو جاتا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے" (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۳ صفحہ نمبر ۳۵۵،۳۵۶)

نصاب کی سطح بلند کرنے کی مفروضہ وممکنہ صورتیں

آجکل کیونکہ مختلف حضرات کی طرف سے زکوٰۃ کے نصاب پر مختلف چہ میگوئیاں جاری ہیں اور سونے اور چاندی کی باہم مالیت میں غیر معمولی فرق ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کے نصاب کی سطح کو بلند کرنے کی مختلف کوششیں چل رہی ہیں اور زیرِ بحث رسالہ کا مقصود بھی نصاب کی سطح بلند کرنا ہے، اس لئے پہلے ہمیں زکوٰۃ کے نصاب کی سطح کو بلند کرنے کی مفروضہ وممکنہ صورتوں پر غور کر لینا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ان صورتوں پر مدلل ومفصل کلام کیا ہے، اس لئے انہی کے الفاظ میں اس پر روشنی ڈالی جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"نصاب کی سطح بلند کرنے کی تین صورتیں فرض کی جاسکتی ہیں:

(۱)......ایک یہ ہے کہ اس زمانے میں سونے کا نصاب بیس مثقال سے بڑھا کر مثلاً چالیس مثقال (۱۵ تولہ) کر دیا جائے یا چاندی کا نصاب دوسو درہم سے بڑھا کر مثلاً چار سو درہم (۱۰۵ تولہ) کر دیا جائے۔

(۲)......دوسری یہ ہے کہ سونے کا تو موجود نصاب ہی باقی رہے اور چاندی کا نصاب سونے کے نصاب کی قیمت کے تابع کر دیا جائے یعنی چاندی کی زکوٰۃ صرف اسی شخص پر واجب ہو جس کی ملکیت میں چاندی کم از کم ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے مساوی ہو۔

(۳)......تیسری صورت یہ ہے کہ سونے اور چاندی کا نصاب تو یہی رہے جو موجودہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس میں ہے، البتہ نقد روپے (اور مالِ تجارت۔ناقل) کا نصاب چاندی کے بجائے سونے سے وابستہ کر دیا جائے کہ جس کے پاس کم از کم ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے مساوی روپے ہوں اس پر زکوٰۃ واجب ہو، اس سے کم پر واجب نہ ہو

ان میں سے پہلی دو صورتیں تو شرعاً ممکن نہیں..

پہلی صورت یعنی سونے یا چاندی کے نصاب میں اضافہ اس لئے ممکن نہیں کہ یہ نصاب کسی شخص کے قیاس واجتہاد کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کا ثبوت صریح احادیثِ نبویہ اور اجماعِ امت سے ہوا ہے................اب اگر اس میں کوئی کمی بیشی قیاس واجتہاد سے کی جائے گی، تو یہ اجتہاد کی بجائے تحریفِ دین ہوگی (نوادر الفقہ جلد ۱ صفحہ نمبر ۳۴۴، ۳۴۵)

نصاب کی سطح بلند کرنے کی دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ چاندی کی زکوٰۃ سونے کے نصاب کی قیمت کے تابع کر دی جائے، یعنی یوں کہا جائے کہ:

"عہدِ رسالت میں اصلی نصاب سونے کا تھا، چاندی درحقیقت سونے کی قیمت کے تابع تھی، اس کا اپنا کوئی مستقل نصاب نہ تھا، اور آنحضرت ﷺ نے چاندی کا نصاب دوسو درہم محض اس لئے مقرر فرمادیا تھا کہ دوسو درہم کی قیمت اس زمانے میں بیس مثقال سونے کی مساوی تھی"

اگر مستند روایات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی تو بلاشبہ ہم بھی سونے کے موجودہ نصاب کو اصلی قرار دے کر چاندی اور نقد روپے کو اس کی قیمت کے تابع کر سکتے تھے، اور اس طرح ہمارا نصابِ زکوٰۃ دو ہزار روپے سے بڑھ کر تیرہ ہزار روپے ہو سکتا تھا، کیونکہ

ساڑھے سات تولہ کی قیمت آج کل تقریباً تیرہ ہزار روپے ہے۔

لیکن تحقیق و جستجو کے نتیجہ میں روایات سے جو صورتحال سامنے آتی ہے وہ ہماری مفروضہ صورت سے بالکل مختلف ہے (نوادر الفقہ جلد ا صفحہ نمبر ۳۴۶)

''اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ کا جو نصاب مقرر فرمایا، اور جس کا بار بار اعلان فرماتے رہے وہ دراصل چاندی ہی کا نصاب تھا، بعد میں اگرچہ آپ ﷺ نے سونے کا نصاب بھی الگ مقرر فرمایا لیکن صورتِ حال یہ ہرگز نہیں تھی کہ آپ ﷺ نے ابتداءً سونے کا نصاب مقرر فرمایا ہو، اور بعد میں اس کی مساوی قیمت کی چاندی کو اس کے تابع کر کے اس کا نصاب الگ مقرر فرمایا ہو بلکہ ابتداءً جو نصاب مقرر ہوا اور جس پر آپ نے صحابۂ کرام سے عمل کرایا وہ چاندی ہی کا نصاب تھا جسے مقرر کرتے وقت یہ بات ہرگز پیشِ نظر نہیں رہی کہ اتنی چاندی کتنے سونے کے مساوی ہوتی ہے؟ لہٰذا اب ہمارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ ہم سونے کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی اتنی چاندی کو نصاب قرار دے دیں جو آنحضرت ﷺ کے مقرر فرمائے ہوئے چاندی کے نصاب سے زائد ہو، بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں یہ بات تو بعض فقہاء کے نزدیک قابلِ غور رہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو اصل قرار دے کر اس کے مساوی سونے کو سونے کا نصاب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے برعکس کا احادیث کی روشنی میں تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

جب صورتحال یہ ہے تو سونے یا چاندی کے نصاب میں اجتہاد کے ذریعہ ردوبدل کا کسی کو اختیار نہیں رہتا، کیونکہ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن میں قرآن وسنت اور اجماعِ امت خاموش ہوں، اور جن مسائل کا حکم قرآن یا سنت یا اجماعِ امت میں واضح طور پر بتادیا گیا ہو، ان میں اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ اجتہاد کے صحیح ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فقہ کے ان تین ماخذ میں سے کسی کے خلاف نہ ہو'' (نوادر الفقہ جلد ا صفحہ نمبر ۳۵۳، ۳۵۴، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ، جولائی 2003ء)

اور تیسری صورت کے بارے میں حضرت مفتی صاحب موصوف نے چند سوالات قائم فرمائے ہیں (جن کا ذکر ہمارے رسالہ ھٰذا کے صفحہ نمبر ۶۹، ۷۰ پر موجود ہے)

اور ان سوالات کی حیثیت اگرچہ وزارتِ خزانہ کے جواب میں ایک الزامی درجہ کی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقائق کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب موصوف سمیت موجودہ دور کے جمہور اکابر کے نزدیک کرنسی اور مالِ تجارت کی مالیت سونے یا چاندی کسی ایک کے نصاب کی مالیت تک پہنچنے سے کرنسی اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

جمہور کے نزدیک مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار

مالِ تجارت اور کرنسی کے سونے یا چاندی کسی ایک کے نصاب کی مالیت تک پہنچنے پر زکوٰۃ واجب ہونے کے سلسلہ میں چند عالمی سطح کی اکیڈمیوں کے فیصلے اور محقق اکابر کی آراء ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

(۱)......جدہ فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

”کاغذی نوٹ فقہی اعتبار سے ”نقودِ اعتباریہ“ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں ثمنیت مکمل طور پر موجود ہے اور شریعت میں ربا، زکوٰۃ، سلم وغیرہ کے معاملے میں سونے اور چاندی کے جو احکام طے شدہ ہیں وہی احکام اِن نوٹوں پر بھی جاری ہوں گے“

(قرار دادیں اور سفارشات صفحہ نمبر ۵۲ قرار داد نمبر (۳/۹/۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کاغذی نوٹوں کو زکوٰۃ کے بارے میں سونے اور چاندی کا حکم حاصل ہے اور جس چیز کو سونے، چاندی کا حکم حاصل ہو، اس میں سونے چاندی میں سے کسی ایک کا نصاب پورا ہو جانے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

(۲)......اسلامی فقہ اکیڈمی ہند کا فیصلہ

”نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا“ (اہم فقہی فیصلے ص ۱۵، جدید فقہی مباحث جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷۵)

اسلامی فقہ اکیڈمی ہند کے مذکورہ فیصلے سے واضح ہوا کہ نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کے اعتبار سے معتبر ہوگا، سونے کے نصاب کے اعتبار سے معتبر نہیں ہوگا۔

(۳)......رابطہ عالمِ اسلامی کا فیصلہ

''کرنسی نوٹ کی قیمت سونے اور چاندی میں سے کسی ایک نصاب کے بقدر ہوجائے یا نقود یا سامانِ تجارت کے ساتھ مل کر نصاب پورا ہوجاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی'' (عصرِ حاضر کے پیچیدہ مسائل صفحہ نمبر ۱۰۲)

رابطہ عالمِ اسلامی کے مذکورہ فیصلے سے معلوم ہوا کہ کرنسی نوٹ کی قیمت چاندی یا سونے میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی پوری ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۴)......هيئة كبار العلماء مملكة العربية السعودية کا فیصلہ

''وجوب زكاتها اذا بلغت قيمتها ادنى النصابين من ذهب اوفضة اوكانت تكمل النصاب مع غيرها من الأثمان والعروض المعدة للتجارة اذا كانت مملوكة لاهل وجوبها'' (ابحاث هيئة كبار العلماء المجلد الاول صفحه نمبر ۵۸، مطبوعه مكتبه ابنِ خزيمه، الرياض، سعودى عرب)

ترجمہ: ''کرنسی نوٹوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک ادنیٰ نصاب کو پہنچ جائے یا سونے چاندی یا مملوکہ سامانِ تجارت کے ساتھ مل کر قیمت سونے، یا چاندی میں سے کسی بھی ادنیٰ نصاب کو پہنچ جائے (تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی)''

مملکتِ سعودی عرب کے بڑے علماء کی جماعت کے مذکورہ فیصلے سے معلوم ہوا کہ کرنسی نوٹ کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر ہوجائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مذکورہ فیصلے اُن اہم عالمی اکیڈمیوں کے ہیں جن میں دنیا بھر کے بڑے بڑے اہلِ علم اور ماہرینِ فن تفصیلی بحث ومباحثے کے بعد فیصلے کرتے ہیں اور فیصلہ کرنے سے پہلے حالاتِ حاضرہ کا جائزہ بھی لیتے ہیں، اگر سونے چاندی کی قیمتوں میں غیر معمولی فرق کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کے نصاب میں

تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی تو یہ عالمی اکیڈمیاں اس پر کوئی فیصلہ ضرور صادر فرماتیں۔

اب ذیل میں اس سلسلہ میں چند اکابر کے فتاویٰ اور تحریرات پیش کی جاتی ہیں۔

(۵)......حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ

''اور فرضیتِ زکوٰۃ میں یہ سکہ بحکمِ فضہ (یعنی چاندی کے حکم میں) ہے، **کما قال الوافی الفلوس الرائجة** ''(احسن الفتاویٰ جلد ۶ صفحہ نمبر ۵۱۸)

(۶)......حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی تحقیق

''وجوبِ زکوٰۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے، یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، بعینہٖ یہی حکم مروّجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے'' (فقہی مقالات جلد ا صفحہ نمبر ۳۰)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''فالذی أراه حقا وادین اللہ علیه ،أن حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰة سواء بسواء ،لأنه یتعامل به کالنقدین تماماً،ولأن مالکه یمکنه صرفهٗ وقضاء مصالحه به فی أی وقت شاء فمن ملک النصاب من الورق المالی ومکث عنده حولا کاملاً وجبت علیه زکاتهٗ باعتبار زکوٰة الفضة لأن الذهب غیر میسور الاٰن ،ولا یمکنه صرف ورقة بقیمتها ذهباً،هذا ما ظهر لی (تکملة فتح الملهم جلد ۱ صفحه نمبر ۵۱۷)

ترجمہ: ''پس جو چیز میرے نزدیک حق ہے اور میرا جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے لئے اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ کرنسی کو زکوٰۃ کے بارے میں پوری طرح سے سونے اور چاندی کا حکم حاصل ہے، اس لئے کہ لوگ اس کرنسی کے ساتھ پوری طرح سونے چاندی کی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں، اور اس لئے کہ کرنسی کے مالک کو اس کا خرچ کرنا اور جس وقت چاہے اس کے ذریعہ سے اپنے مصالح پورا کرنا ممکن ہوتا ہے،

لٰہذا جو شخص بھی کاغذی کرنسی (نوٹ) کا زکوٰۃ کے نصاب کے بقدر مالک ہوگیا اور اس پر حولانِ حول بھی ہوگیا تو اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی چاندی کی زکوٰۃ کے اعتبار سے، کیونکہ سونا اس وقت (قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے معمولی کرنسی کے ذریعہ سے) میسر آنا مشکل ہوگیا اور نوٹ کی قیمت کا سونے کے اعتبار سے خرچ کرنا ممکن نہیں، میرے نزدیک یہی صحیح ہے''

(۷)......فتاویٰ رحیمیہ

''جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے اتنے روپے کے مالک کو صاحبِ نصاب (نصاب والا شخص) قرار دیا جائے گا'' (فتاویٰ رحیمیہ کمپیوٹرائیڈیشن جلد ۷ صفحہ نمبر ۵۲)

''آج کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہوں گے تو زکوٰۃ واجب ہوگی'' (ایضاً صفحہ مذکورہ)

(۸)......فتاویٰ مفتی محمود

''نوٹوں پر زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اس وقت جبکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، اس وقت بحساب اٹھارہ روپے فی تولہ اس کی قیمت =/۹۴۵ روپے ہے لٰہذا نصاب روپے کا یہی ہوگا =/۵۰۰ روپے میں زکوٰۃ واجب نہیں، اگر چاندی اور گراں ہوگی تو اسی اعتبار سے روپے کا نصاب بڑھتا چلا جائے گا'' (فتاویٰ مفتی محمود جلد سوئم صفحہ نمبر ۲۲۶)

(۹)......فتاویٰ حقانیہ

''نصابِ زکوٰۃ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر نقدی ہے، لٰہذا اگر دو ہزار روپے چاندی یا سونے کی قیمت کے برابر بنتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے'' (فتاویٰ حقانیہ، اکوڑہ خٹک جلد ۳ صفحہ نمبر ۴۸۳)

(۱۰)......جدید فقہی مسائل

''ہمارے عہد میں نوٹ، گو سونے سے مربوط ہے۔ مگر چونکہ شریعت کی نظر میں چاندی بھی ثمن ہے اور نوٹ کے نصاب میں چاندی کی قیمت کا اعتبار کرنے میں فقراء کے

لئے نفع ہے اور احکامِ زکوٰۃ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس پہلو میں فقراء کا فائدہ ہو، اس کو اختیار کیا جائے اس لئے زکوٰۃ کی حد تک ان سکوں اور نوٹوں کے لئے اصل چاندی ہی ہوگی اور اتنی رقم کا مالک ہونے پر جس سے چاندی کا نصاب خرید کیا جائے۔ زکوٰۃ واجب ہو جائے گی" (جدید فقہی مسائل جلد ۴ صفحہ نمبر ۱۴۶ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہٗ)

(۱۱)......مسائلِ بہشتی زیور

"اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے میں سے جس کی قیمت بھی کم تر ہو، اس کے برابر روپے پیسے ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو اس نقدی پر زکوٰۃ فرض ہے جو کہ کل ڈھائی فیصد ہے" (مسائلِ بہشتی زیور حصہ اول صفحہ نمبر ۲۱۹ از مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب)

مذکورہ تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ کرنسی اور مالِ تجارت میں زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے صرف سونے کا نصاب معیار نہیں، بلکہ سونے و چاندی میں سے جس کے اعتبار سے بھی نصاب پورا ہو جاتا ہو تو زکوٰۃ فرض ہے۔

اب اس تمہید کے بعد اس موضوع پر تحریر شدہ ایک رسالہ پر تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

امولِ تجارت اور مروّجہ کرنسی کے لئے

معیارِ نصاب

سونا یا چاندی؟

(نقد و تبصرہ)

اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی؟ نامی اس کتابچہ کے ابتدائی تقریباً ۴۴ صفحات پر، پیشِ لفظ، تقاریظ و تصدیقات اور مقدمہ کے علاوہ رسالہ کے عنوان سے متعلق کوئی اہم بحث نہیں ہے، زکوٰۃ کی اہمیت، فرضیتِ زکوٰۃ، اور اسرارِ زکوٰۃ وغیرہ جیسے عنوانات پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور عنوانِ کتاب سے متعلق باقاعدہ بحث کا آغاز ص ۴۶ سے کیا گیا ہے، اس لئے اس صفحہ سے ہی گفتگو کا آغاز مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک عبارت کی وضاحت

﴿۱﴾...... صفحہ نمبر ۴۶ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ کے حوالے سے مولانا موصوف نے یہ اقتباس نقل فرمایا ہے کہ:

> ''یہ تمام نصابات اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ یہ نصابات ایک متوسط درجے کے گھرانے کے لئے سال بھر کی ضرورت کے لئے کافی ہوتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ تمام نصابات سونے کے نصاب سے مساوی تھے، ان کا مالک اس لئے غنی کہلاتا تھا''

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حجۃ اللہ البالغۃ عربی اور اس کے اردو ترجمہ میں یہ اقتباس باوجود تلاشِ بسیار کے دستیاب نہیں ہوسکا، اور حوالہ میں باب اور صفحہ نمبر درج نہیں کہ اس کی مدد سے حوالہ تلاش کرنے میں سہولت ہوتی۔

البتہ پانچ وسق عشر اور چاندی کے نصاب کے ضمن میں ''اقل اھل بیت'' کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا مندرجہ ذیل فرمان دستیاب ہوا:

”اقول: وانما قدر من الحب والتمر خمسة اوسق لانها تکفی اقل اهل بیت الی سنة وذالک لان اقل البیت الزوج والزوجة وثالث خادم او ولد بینهما ومایضاهی ذالک من اقل البیوت وغالب قوت الانسان رطل اومد من الطعام فاذا اکل کل واحد من هؤلاء ذالک المقدار کفاهم لسنة وبقیت بقیة لنوائبهم اوادامهم،

وانما قدر من الورق خمس اواق لانهامقدار یکفی اقل اهل بیته سنة کاملة اذاکانت الاسعارموافقة فی اکثر الاقطار اواستقرئ عادات البلادالمعتدلة فی الرخص والغلاء تجد ذالک (حجة الله البالغة، زکوٰۃ کابیان، باب نمبر۳، مشموله، رحمة اللهالواسعة شرح حجة الله البالغةجلد۴ صفحه نمبر۵۳و صفحه نمبر۵۴، شارح: حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری، استاذ: دارالعلوم دیوبند، مطبوعه: زمزم پبلشرز کراچی)

مگراولاً تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ فرمان حکمت پر مبنی ہے، علت پر مبنی نہیں، کہ جس پر حکم کا مدار ہو (جس کا اعتراف مولانا موصوف نے اپنی اسی تصنیف کے ص ۶۶ پر خود بھی فرمایا ہے)

اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مولانا کو ”مصلحت“ اور ”علت“ کے درمیان التباس ہوا ہے، حضرت (مولانا) شاہ (ولی اللہ) صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ قصر وافطار کی علت سفر ہے، اور دفعِ حرج اس کی مصلحت ہے، ٹھیک اسی طرح وجوبِ زکوٰۃ کی علت نصابِ نامی ہے اور اس کی مصلحت حصولِ غنا ہے، حکم اپنے وجود وعدم میں مصلحت پر نہیں بلکہ علت پر دائر ہوتا ہے، چنانچہ مسافر کو واقعتاً حرج نہ بھی لاحق ہو، تب بھی اس کے لئے قصر وافطار کی رخصت حاصل ہے، اور مقیم کو کتنا ہی حرج لاحق ہو لیکن اس کی وجہ سے قصر وافطار کی رخصت اسے حاصل نہ ہوگی، پس جس طرح شریعت نے دفعِ حرج کو سفرِ شرعی کے ساتھ منضبط کیا ہے، اسی طرح حصولِ غنا کو بھی ملکیتِ نصاب کے ساتھ متعین کردیا،

اس لئے زکوٰۃ کے وجوب وعدمِ وجوب میں قابلِ اعتبار براہِ راست حصولِ غنا نہیں بلکہ نصابِ شرعی ہے'' (اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر اور نظامِ مالیات پر شبہات کا جواب صفحہ نمبر۸۵،۸۶، مکتبہ لدھیانوی، اشاعتِ اول فروری 2003ء)

مولانا اختر امام عادل صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے نصاب کی ان حکمتوں کو بیان کیا ہے، جن کے پیشِ نظر عہدِ نبوی میں ان کا تعین کیا گیا تھا، کوئی ضروری نہیں کہ وہ حکمتیں ہر دور میں پائی جائیں؟ حکمت علت کا درجہ نہیں رکھتی، علت کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے مگر حکمت کے مفقود ہوجانے سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ بھی ایسا حکم جو غیر قیاسی ہو، جہاں حکمت تو درکنار علت کی بھی گنجائش نہ ہو'' (جدید فقہی مباحث جلد ۷ صفحہ نمبر ۸۸۳)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حکمت مدارِ حکم نہیں ہوتی، علت مدارِ حکم ہوتی ہے، حکمت کہیں کامل پائی جاتی ہے، کہیں ناقص اور کہیں بالکل معدوم ہوتی ہے'' (احسن الفتاویٰ جلد ۵ صفحہ نمبر ۳۸۷)

جب حکمت پر حکم کا مدار نہیں ہوتا اور حکمت کا ایک درجہ ناقص بھی ہوتا ہے تو کسی چیز کی حکمت تسلیم کرنے کے بعد بھی اس پر حکم کا مدار نہیں رکھا جاسکتا اور حکمت ناقص ہونے کی صورت میں اس کا انطباق پوری طرح ضروری نہیں، مبحوث فیہ مسئلہ میں بھی ہم اس حکمت کو ناقص سمجھتے ہیں۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم حکمت ومصلحت کے درمیان فرق بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلّمہ اصول یہ ہے کہ فقہاء کا قانونی منشاء معلوم کرنے کے لئے ان کے بیان کردہ اسباب وعلل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور جو بات وہ حکمت ومصلحت کے طور پر بیان کرتے ہیں اُسے کسی قانونی حکم کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اس لئے کہ احکامِ فقہیہ کا مدار علتوں پر ہوتا ہے، حکمتوں پر نہیں'' (فقہی مقالات جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷۹)

دوسرے پانچ وسق عشر کا نصاب حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر صادق نہیں آتا، کیونکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک پیداوار کے تھوڑے یا زیادہ حصے میں بغیر کسی نصاب کے مقرر کئے ہوئے عشر یا نصف عشر واجب ہے، البتہ صاحبین اور دیگر فقہاء کے مسلک پر یہ حکمت صادق آتی ہے، زکوٰۃ اور عشر کا نصاب بلکہ ان کی شرائط بھی آپس میں مختلف ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''زکوٰۃ اور عشر کے احکام میں چھ اعتبار سے فرق ہے:

(۱) عشر واجب ہونے میں کسی نصاب کی شرط نہیں ہے، چنانچہ پیداوار کم ہو یا زیادہ بہر حال اس پر عشر فرض ہوگا، البتہ اگر پیداوار پونے دو سیر (نصف صاع) سے بھی کم ہو عشر فرض نہیں (درمختار و شامی ج ۲)

(۲) عشر میں پیداوار پر ایک سال گذرنے کی بھی شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی زمین میں سال میں دو مرتبہ فصل ہوتی ہے، یا کسی درخت پر سال میں دو مرتبہ پھل آتا ہے تو ہر مرتبہ پیداوار میں عشر فرض ہوگا (درمختار و شامی ج ۲)

(۳) عشر فرض ہونے میں عاقل ہونے کی بھی شرط نہیں لہٰذا مجنون کے مال پر بھی عشر فرض ہوتا ہے (درمختار و شامی ج ۲)

(۴) اس میں بالغ ہونے کی بھی شرط نہیں، چنانچہ نابالغ کے مال پر بھی عشر فرض ہوتا ہے (درمختار و شامی ج ۲)

(۵) عشر کے لئے آزاد ہونا بھی شرط نہیں، چنانچہ غلام کے مال پر بھی عشر فرض ہوتا ہے (درمختار و شامی ج ۲)

(۶) زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں، چنانچہ اگر وقف زمین میں اہلِ وقف کاشت کریں تو اس پیداوار پر بھی عشر فرض ہوگا، اسی طرح اگر زمین کرایہ پر لے کر اس میں کاشت کریں تو اس پیداوار پر بھی عشر فرض ہوگا'' (ہٰذا کلہ من رد المحتار ج ۲ ص ۷۵)

(نوادر الفقہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۶۰، ۶۱)

تیسرے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ حکمت سونے کے نصاب کے بجائے چاندی کے نصاب کے متعلق بیان فرمائی ہے، اور مولانا موصوف نے خود بھی ص ۶۶ پر علامہ یوسف قرضاوی کے حوالہ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے جس پر بحث بعنوان ''چاندی کے نصاب اور اس کی مالیت میں فرق کیوں؟'' نمبر ﴿۱۲﴾ کے ضمن میں آتی ہے۔

اور چوتھے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے متوسط گھرانے کے بجائے ادنیٰ گھرانے کے متعلق بیان فرمائی ہے۔

اور پانچویں یہ قید بھی لگائی ہے ''اذا کانت الاسعار موافقة فی اکثر الاقطار الخ''

چھٹے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سونے کے نصاب کے چاندی کے نصاب کے تابع ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''والذهب محمول على الفضة وكان فى ذالك الزمان صرف دينار بعشرة دراهم فصار نصابه عشرين مثقالا (ایضاً حجة الله البالغة جلد ۴ صفحه نمبر ۱۰۶ بشرح مذکور)

اور مولانا موصوف نے اس موقف کی اپنی تصنیف میں ص ۴۹ تا ص ۵۱ پر خود ہی تردید فرمائی ہے، چنانچہ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک سونے کا نصاب ذاتی ہے کسی دوسرے نصاب کا تابع نہیں'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۴۹)

اور کچھ آگے چل کر مولانا موصوف لکھتے ہیں:

''جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں نصابوں کو مستقل اور مساوی حیثیت حاصل ہے، کوئی بھی نصاب دوسرے کے لئے معیار نہیں، اور جہاں تک بعض علماء کی رائے کا تعلق ہے کہ چاندی سونے کے لئے معیار ہے تو وہ شاذ اور مرجوع قول ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۵۱)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس فرمان کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا سعید احمد صاحب

پالن پوری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

''روایات سے یہ بات بھی درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی ہے کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی ۲۰۰ درہم ہے، اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں، اور سونا چاندی پر محمول ہے، یعنی چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے بقدر سونا زکوٰۃ کا نصاب ہے اور دورِ نبوی میں ایک دینار کا مبادلہ (Change) دس درہم سے ہوتا تھا، پس دو سو درہم کے بیس مثقال ہوئے، اس لئے اسی کو سونے کا نصاب مقرر کیا گیا، اور سونے، چاندی میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ رکھی یعنی ڈھائی روپے فی سیکڑہ، یہ مقدار زکوٰۃ کی تمام مقداروں سے کم ہے، کیونکہ یہ اموال کنز یعنی خزانہ (ذخیرہ کی ہوئی قابلِ رغبت چیز) ہیں، اور خزائن لوگوں کے نزدیک نفیس ترین اموال شمار ہوتے ہیں، اس لئے اگر لوگوں کو ان میں سے بہت مقدار خرچ کرنے کے لئے کہا جائے گا تو ان پر بار ہوگا، اس لئے ان کی زکوٰۃ تمام زکاتوں سے کم رکھی گئی ہے۔

فائدہ: سونے کے نصاب کے سلسلہ میں تین روایتیں ہیں، مگر ان میں سے ایک بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح نہیں، وہ تین روایتیں یہ ہیں:

پہلی روایت: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ: ''سونے میں کچھ واجب نہیں، تا آنکہ وہ بیس دینار ہو جائے، پھر اگر کسی کے پاس بیس دینار ہوں، اور ان پر سال گذر جائے تو ان میں آدھا دینار ہے'' اس روایت کو ابنِ وہب مصری نے مرفوع بیان کیا ہے اور شعبہ اور ثوری وغیرہما نے موقوف بیان کیا ہے، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے، امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے یعنی کوئی جرح نہیں کی، امام نووی نے حسن یا صحیح کہا ہے اور زیلعی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے (ابوداؤد حدیث ۱۵۷۳، باب زکوٰۃ السائمۃ، نصب الرایہ ج۲ ص ۳۲۸)

دوسری روایت: حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیس دینار یا زیادہ میں سے آدھا دینار لیا کرتے تھے'' اس کی سند میں ایک

راوی ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے، مگر ضعیف جداً نہیں، بخاری میں اس راوی کی روایت تعلیقاً ہے (ابنِ ماجہ حدیث ۱۷۹۱، باب زکوٰۃ الورق والذہب)

تیسری روایت: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

''دوسو درہم سے کم میں کچھ نہیں اور سونے کے بیس مثقال سے کم میں کچھ نہیں'' حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے درایہ میں اس کی اسناد کو بھی ضعیف کہا ہے، یہ حدیث ابوعبید اور ابنِ زنجویہ نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے (نصب الرایہ ج ۲ص ۳۶۹، مغنی ابنِ قدامہ ج ۲ص ۵۹۹)

مذکورہ تمام روایات گو الگ الگ ضعیف ہیں، مگر ضعف شدید نہیں، پھر مل کر ایک قوت حاصل کر لیتی ہیں اور قابلِ استدلال ہو جاتی ہیں، اس لئے جمہور کے نزدیک سونے کا نصاب ایک مستقل نصاب ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں، البتہ کچھ حضرات سونے کو چاندی کے نصاب پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک سونے کا نصاب کوئی مستقل نصاب نہیں، جتنا بھی سونا چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے اس میں زکوٰۃ واجب ہے، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، ابنِ قدامہ رحمہ اللہ مغنی ج ۲ص ۵۹۹ میں لکھتے ہیں: ''**قال عامة الفقهاء نصاب الذهب عشرون مثقالا ،من غير اعتبار قيمتها الا ماحكي عن عطاء وطاؤس ،والزهري وسليمان بن حرب وايوب السختياني انهم قالوهو معتبر بالفضة فما كان قيمته مائتي درهم ففيه الزكوٰة والا فلالانه لم يثبت عن النبي ﷺ تقدير في نصابه فثبت انه حمله على الفضة** ١ھ'' خلاصہ یہ ہے کہ قابلِ زکوٰۃ اموال کی اجناس چار ہیں یا پانچ؟ اس میں اختلاف ہے، مواشی بالاتفاق تین جنسیں ہیں، ان میں ایک نصاب کا دوسرے نصاب سے انضمام نہیں کیا جاتا یعنی اگر کسی کے پاس چار اونٹ، بیس گائیں اور تیس بکریاں ہوں تو ان میں کچھ زکوٰۃ نہیں، کیونکہ کوئی نصاب مکمل نہیں، اور سونا چاندی دو جنس

ہیں یا ایک؟ اس میں اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک اور شاہ صاحب کے نزدیک دونوں ایک جنس ہیں، اور اصل چاندی کا نصاب ہے اور سونے میں اس کی قیمت کا اعتبار ہے، اور جمہور ان کو دو جنسیں قرار دیتے ہیں، اور دونوں میں وزن کا اعتبار کرتے ہیں، چاندی کا نصاب چھ سو بارہ گرام اور سونے کا نصاب ساڑھے ستاسی گرام ہے مگر چونکہ دونوں خلقی ثمن ہیں اور دونوں کی منفعت بھی ایک ہے یعنی دونوں ایک ہی کام کرتے ہیں اس لئے جمہور دونوں میں انضمام کرتے ہیں یعنی کسی کے پاس نصاب سے کم چاندی ہو اور نصاب سے کم سونا ہو تو بعض حضرات وزن کے اعتبار سے انضمام کرتے ہیں اور احناف دونوں کی قیمت لگا کر انفع للفقراء نصاب بناتے ہیں'' (رحمۃ اللہ الواسعۃ جلد۴ صفحہ نمبر ۵۹ و صفحہ نمبر ۶۰)

کیا زکوٰۃ کی ادائیگی میں مکلّف پر عسر ہے؟

﴿۲﴾...... مولانا موصوف نے صفحہ نمبر ۴۶ و صفحہ نمبر ۴۷ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی زکوٰۃ کی مقدار کی بعض حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ اقتباس بھی نقل فرمایا ہے:

''نہ اتنی زیادہ ہونی چاہئے کہ اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۴۶ و ۴۷)

اور پھر ص ۴۸ پر حضرت شاہ صاحب موصوف رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

''شاہ صاحب کے بیان سے وضاحت کے ساتھ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نصابِ زکوٰۃ اور اوقاتِ ادائیگی میں سب کا خیال رکھا گیا ہے، کہ نہ امیر کے سر پر بوجھ ہو کہ کہیں وہ ادا کرنے سے قاصر ہو کر اس فریضے سے روگردانی ہی شروع کر دے، اور نہ فقیر کے لئے باعثِ تکلیف ہو کہ وہ اپنے حوائج کی تکمیل کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرے اور اس کی حاجت کی تکمیل نہ ہو سکے، بلکہ اس نظام میں ایسی راہِ اعتدال

اختیار کی گئی ہے کہ نہ امیر پر بوجھ ہے بلکہ وہ اسے خوشی سے ادا کرتا ہے، اور نہ فقیر کے لئے باعثِ تکلیف ہے، بلکہ اس کی ضرورت مندی بروقت پوری ہو جائے“

(اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۴۸)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ فرمان تو بلاشبہ درست ہے، واقعی شریعتِ مطہرہ نے زکوٰۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے اس کا ادا کرنا فی الواقع کوئی بھی مشکل نہیں، ڈھائی فیصد زکوٰۃ کا تناسب بہت سہل وآسان ہے لیکن جس شخص پر شریعت نے زکوٰۃ واجب کی ہے وہ شریعت کی نظر میں فقیر نہیں، اور جو شریعت کی نظر میں فقیر ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں، اغنیاء اگر ٹھیک ٹھیک ڈھائی فیصد زکاۃ کی مقدار ادا کریں تو فقراء کے در در کی ٹھوکریں کھانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اور اس مقدار سے حاجت کی تکمیل میں خلل واقع ہونے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ زکوٰۃ مالِ نامی میں فرض کی گئی ہے جو کہ دو قسم کا ہے، خلقی اور فعلی۔

خلقی (سونا، چاندی اور کرنسی) بذاتِ خود حاجتِ اصلیہ میں مشغول نہیں ہوتا سوائے دَین کے، البتہ اس کو خرچ کر کے یا اس سے کوئی چیز بدل کر اس کو حاجتِ اصلیہ میں مشغول کیا جا سکتا ہے، اور فعلی نامی کو اگر حاجتِ اصلیہ میں مشغول کر لیا جائے تو وہ نامی سے خارج ہو جاتا ہے اور اس پر زکوٰۃ لازم نہیں رہتی، حولانِ حول کی شرط بھی سال بھر کی ضروریات وحاجات کی رعایت کے لئے ہی رکھی گئی ہے، باقی انسان کی ہوس اور خواہش کی تو کوئی انتہا نہیں، اسی لئے فقہائے کرام نے اس راز کو سمجھتے ہوئے حاجت کے ساتھ اصلیہ کی قید لگائی ہے:

علامہ یوسف القرضاوی صاحب فرماتے ہیں:

”وانما قلنا: الحاجة الاصليه، لان حاجات الانسان كثيرة ولا تكاد تتناهى، وخاصة فى عصرنا الذى تكاد تصبح فيه الكماليات حاجيات والحاجيات ضروريات فليس كل ما يرغب فيه الانسان يمد حاجة اصلية لان ابن آدم لو كان له واديان من ذهب لا بتغى ثالثا“ (فقه الزكوٰة جلد ا صفحه نمبر ۱۵۲)

''یعنی چوں کہ انسان کی حاجتیں بے شمار اور لامحدود ہیں۔ خاص طور سے اس زمانہ میں جب کہ تعیش وکمال، حاجت کا اور حاجت، ضرورت کا درجہ اختیار کر چکی ہے اس لئے ہر وہ چیز جس کی خواہش انسان رکھتا ہے اس کو حاجت اصلیہ میں شمار کر کے وجوب زکوٰۃ سے خارج نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ انسان حریص ہے اگر اس کو سونے کی دو وادی مل جائیں تو خواہش کرے گا کہ تیسری بھی مل جائے''

''ولکن الحاجات الاصلية مالا غنى للانسان عنه في بقائه كمأكله وملبسه ومشربه ومسكنه وما يعينه على ذلك من كتب علمه وفنه واداوات حرفته ونحو ذلك''

''یعنی حاجت اصلیہ ہر وہ چیز ہے جو انسان کی بقاء کے لئے ضروری اور معین ومددگار ہو، جیسے کہ کھانا، کپڑا، پانی یا رہائشی مکان یا جس علم وفن کو حاصل کرنے والا ہے اس علم وفن کی کتابیں، یا جس پیشہ کو اختیار کرنے والا ہو اس پیشہ کے آلات وغیرہ'' (فقہ الزکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۵۲ بحوالہ جدید فقہی مباحث جلد ۶ صفحہ نمبر ۲۴۰، ۲۴۱)

کیا جملہ نصابوں کی مالیت میں مساوات ملحوظ ہے؟

﴿۳﴾...... مولانا موصوف نے صفحہ نمبر ۵۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ:

''اسلام نے جتنے بھی نصابات مقرر کئے ہیں اگرچہ جنسیت کے اعتبار سے وہ مختلف ہیں، مثلاً سونے کا نصاب الگ، چاندی کا الگ، گائے بھینس کا الگ، اور بھیڑ بکریوں کا الگ، مگر دورِ اولیٰ میں سب کی مالیت برابر تھی اور ان نصابات کے تقرر میں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ یہ زکوٰۃ امراء پر لاگو ہو جائے، غرباء اس فریضے سے مستثنیٰ رہیں''

(اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۵۱)

اولاً تو اس کا ثبوت درکار ہے کہ شارع علیہ السلام نے ان تمام نصابوں میں مالیت کے مساوی ہونے کا لحاظ فرمایا ہے، بندہ کا خیال تو یہ ہے کہ یہ نصابات توقیفی ہیں، اور شارع علیہ السلام نے

مساوات کا لحاظ فرما کر ان کو مقدر نہیں فرمایا: جس کی قدرے تفصیل اس کتاب کے مقدمہ اور اس کے بعد نمبر ''ا'' کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے گذری۔

دوسرے عشر کے نصاب کے بارے میں پہلے ذکر کیا جاچکا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کوئی نصاب مقرر نہیں اور کل پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر واجب ہے، عشر اور نصف عشر کی مالیت ومقدار بھی زکوٰۃ اور اس کی مقدار سے مختلف ہے، اور عشر واجب ہونے والی اجناس کی مالیت کا باہم مختلف ومتفاوت ہونا تو بالکل بدیہیات میں سے ہے۔

تیسرے فقہائے کرام نے اپنے اپنے دور میں اس مساوات کو ہر جگہ ملحوظ نہیں رکھا، چنانچہ فقہائے کرام نے عروض التجارۃ میں سونے یا چاندی کسی ایک کے ساتھ نصاب پورا ہونے کی صورت میں وجوبِ زکوٰۃ کا جو حکم تحریر فرمایا ہے اس سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ تفاوت حکم میں اثر انداز نہیں ہوتا، علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(وتقوم السلع اذاحال الحول بالاحظ للمساكين ،من عين او ورق ولايعتبر مااشتريت به) يعنى اذا حال الحول على العروض وقيمتها بالفضة نصاب ولاتبلغ نصابا بالذهب قومنا ها بالفضة ليحصل الفقراء منها حظ ولو كانت قيمتها بالفضة دون النصاب وبالذهب تبلغ نصاب قومناهابالذهب لتجب الزكوٰة فيها ولافرق بين ان يكون اشتراؤهابذهب او فضة اوعروض وبهذاقال ابوحنيفة وقال الشافعى تقوم بمااشتراه من ذهب اوفضة لان نصاب العروض مبنى على مااشتراه به فيجب ان تجب الزكوٰة فيه وتعتبر به كما لولم يشتر به شيئا ولنا قيمته بلغت نصابا فتجب الزكوٰة فيه كمالواشتراه بعرض وفى البلد نقدان مستعملان تبلغ قيمته العروض باحدهما نصابا ولان تقويمه لحظ المساكين فيعتبر مالهم فيه احظ كالاصل'' (المغنى لابنِ

قدامة ج ۲ ص ۶۲۷ باب زكوٰة التجارة)

جب یہ حکم دراہم ودنانیر یعنی سونے اور چاندی کی ذات سے خریدے ہوئے مال کے بارے میں ہے تو کرنسی کو تو سونے کے ساتھ یہ نسبت بھی حاصل نہیں، کیونکہ کرنسی کو سونے وچاندی کے عوض نہیں خریدا جاتا، جس طرح ذہب وفضہ ثمن ہے، اسی طرح کرنسی بھی، برخلاف مالِ تجارت کے۔

ملحوظ رہنا چاہے کہ کرنسی کا مالِ نامی ہونا مالِ تجارت کے نامی ہونے سے اعلیٰ ہے، کیونکہ مالِ تجارت میں صرف ترکِ تجارت کی نیت سے نمو زائل ہو جاتا ہے، مگر کرنسی میں اس قسم کی نیت مؤثر نہیں، اس حیثیت سے مروجہ کرنسی کا مالِ تجارت کے مقابلہ میں ذہب وفضہ سے قریب تر ہونا ظاہر ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ موجودہ شافعیہ بھی مروجہ کرنسی میں احد النقدین کے ساتھ نصاب پورا ہونے کی صورت میں لزومِ زکوٰۃ کے قائل ہیں، جبکہ مالِ تجارت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اوپر عبارت میں مذکور ہے:

"تقوم بما اشتراه من ذهب اوفضة الخ"

جس کی وجہ یہی ہے کہ کرنسی کے بارے میں یہ اطلاق موجود نہیں کہ:

"تقوم الاوراق النقدية بما اشتراه من ذهب او فضة"

کیونکہ کرنسی کا ذہب وفضہ کے عوض خرید کا وجود نہیں، بلکہ مروجہ کرنسی اپنی ذات میں ثمنِ عرفی ہے۔

تقویم میں مالک کے اختیار کا مسئلہ

﴿۴﴾...... صفحہ نمبر ۵۶ پر مولانا موصوف نے "تقویم میں مالک کو اختیار" عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا ہے:

"البتہ اس تقویم میں صاحبِ مال مختار ہے کہ جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے، اس اختیار کی وضاحت کے لئے فقہائے کرام کی چند عبارات بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہیں"

(اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۵۶)

اور اس کے بعد فقہائے کرام کی عبارات اس مدّعا کی تائید میں نقل فرمائی ہیں۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ متعدد فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق اختیار کا مذکورہ مسئلہ اس صورت

میں تو ہے جبکہ ذھب وفضہ دونوں کے نصاب کی مالیت مساوی ہو، یا مالِ تجارت وکرنسی کی مالیت ذھب وفضہ دونوں کے نصاب پر پوری اتر رہی ہو، اور فقہائے کرام کی یہ عبارات انہی صورتوں پر محمول ہیں، ورنہ اگر ذھب وفضہ میں سے کسی ایک سے نصاب پورا ہوتا ہو اور دوسرے سے پورا نہ ہوتا ہو، تو مالک کو اختیار دینے کے بجائے ادنیٰ نصاب جو کہ انفع للفقراء ہو وہی متعین ہو جاتا ہے، علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کے حوالہ سے عبارت پیچھے گذر چکی، اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ثم فی تقویم عروض التجارة التخییر یقوم بایهما شاء من الدراهم والدنانیر الااذا کانت لاتبلغ باحدهما نصابا فحینئذ تعین التقویم بمایبلغ نصابا هکذا فی البحر الرائق (فتاویٰ ھندیة ج ۱ ص ۱۷۹، الفصل الثانی فی العروض، کتاب الزکوٰۃ)

جدید فقہی مباحث میں مولانا محمد ابوبکر صاحب زید مجدہم نے اپنے مقالہ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اس پر نقد وتبصرہ سے گریز کرتے ہوئے اس نکتہ کی وضاحت کے لئے ان کا مضمون نقل کرتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اور اموالِ تجارت کا نصاب سونا، چاندی کے تابع ہے اور سونا چاندی اگر الگ الگ نصاب کی مقدار کو پہنچ جاتا ہو تو پھر دونوں میں سے کسی کا نصاب دوسرے کے تابع نہ ہوگا، البتہ اگر دونوں نصاب سے کم ہوں یا ایک نصاب سے کم ہو تو دونوں کو اکٹھا کر کے جس کسی کا نصاب پورا ہوتا ہے وجوبِ زکوٰۃ کے باب میں اس کا نصاب معتبر ہوگا، اور اگر دونوں سے نصاب پورا ہوتا ہو تو پھر نصاب کا اعتبار کرنے میں فقراء کا جس میں زیادہ نفع ہو اس کا لحاظ ہوگا، چونکہ دورِ حاضر میں چاندی کے نصاب کو اختیار کرنے میں فقراء کا زیادہ نفع ہوسکتا ہے، اس لئے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے وجوب میں چاندی کا نصاب معتبر ہوگا، اور فقہ کی کتابوں میں فقہائے کرام نے جو یہ لکھا ہے کہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے وجوب میں سونا یا چاندی میں سے جس کے نصاب سے چاہے قیمت لگائے تو یہ آج کے دور کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ اس دور کی بات ہے جبکہ سونے

اور چاندی کے نصاب کی مالیت قیمت کے اعتبار سے برابر تھی، لیکن آج کے دور میں تو دونوں کے نصاب کی مالیت میں باعتبارِ قیمت کے زمین و آسمان کا فرق ہے، مثلاً اگر چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کی قیمت اگر پانچ ہزار روپے ہوتی ہے تو سونے کے نصاب (ساڑھے سات تولہ سونا) کی قیمت تقریباً تیس ہزار روپے ہو جاتی ہے، اس لئے دورِ حاضر میں اموالِ تجارت کے وجوب کے لئے اگر یہ کہا جائے کہ صاحبِ مال سونا اور چاندی میں سے جس کے اعتبار سے چاہے اسے اختیار ہے، قیمت لگا کر زکوٰۃ دے، تو بہت سے تاجر ایسے ہونگے جو وجوبِ زکوٰۃ سے بچنے کے لئے اپنے مالِ تجارت کی قیمت سونے کے نصاب سے لگا کر کہیں گے میرے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ میرے کاروبار کی مالیت سونے کے نصاب سے کم ہے، اگر چہ اس کی مالیت چاندی کے کئی نصاب کے برابر ہو اور اس طرح فقراء کی سخت حق تلفی ہوگی، اور غریبوں محتاجوں کا بہت زیادہ نقصان ہوگا، اس لئے اس فتنہ کا سدِ باب کرنے کے لئے نیز فقراء کے نفع کے پیشِ نظر اسی طرح عبادات کے اندر احتیاط کے پہلو کو مدِ نظر رکھ کر یہی کہا جائے کہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے وجوب میں دورِ حاضر کے اندر چاندی کا نصاب معتبر ہے اور یہی راجح و مفتیٰ بہ قول ہے اور فقہائے کرام کی تصریحات بھی اسی کی طرف مشیر ہیں۔ درمختار میں ہے:

”فی عرض تجارة قیمته نصاب..........من ذهب او ورق........... مقوما باحدهما ان استویا فلو احدهما اروج تعین التقویم به ولو بلغ باحدهما نصابا دون الاخر تعین مایبلغ ولو بلغ باحدهما نصابا وخمسا وبالآخر اول قومه بالانفع للفقیر، وفی ردالمحتار قال الشامی قوله من ذهب اوورق لان معناه التخییر ومحل التخییر اذاستویا فقط واما اذا اختلفا قوم بالانفع“ (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۳۳ و ص۳۴، مثله فی البحر وحاشیة المسماة بمنحة الخالق ج۲ ص ۲۲۹)

''مالِ تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کسی ایک سے لگائی جائے گی، اگر دونوں برابر ہوں، پس اگر ان میں سے ایک کا زیادہ رواج ہو تو وہی متعین ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے نصاب کو پہنچ جائے اور دوسرے سے نہ پہنچے تو وہی متعین ہے جو نصاب کو پہنچ جائے اور اگر کسی ایک سے نصاب اور خمس نصاب کو پہنچ جائے اور دوسرے سے کم ہو تو اس سے قیمت لگائے جس میں فقیر کا زیادہ نفع ہو، علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صاحبِ درمختار کے قول من ذھب اوورق میں او کا معنیٰ تخییر ہے اور تخییر کا محل فقط دونوں کے برابری کی صورت ہے اور اختلاف کی صورت میں انفع سے قیمت لگائی جائے گی''

بدائع الصنائع میں ہے:

''یضم بعض اموال التجارۃ الی البعض فی تکمیل النصاب (الیٰ قوله) انه یقوم باوفی القیمتین من الدراھم والدنانیر حتی انها اذا بلغت بالتقویم بالدراھم نصابا ولم تبلغ بالدنانیر قومت بما تبلغ به النصاب وکذاروی عن ابی حنیفة فی الامالی انه یقومها بانفع النقدین للفقراء'' (بدائع الصنائع ج۲ ص ۲۱)

''نصاب کو پورا کرنے کے لئے بعض مالِ تجارت کو دوسرے بعض سے ملایا جائے گا اور دراہم ودنانیر میں سے اس سے قیمت لگائی جائے گی جس سے نصاب پورا ہوجائے یہاں تک کہ اگر قیمت دراہم سے لگانے میں نصاب کو پہنچ جائے (یعنی دراہم سے) اور امالی میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایسا ہی مروی ہے کہ چاندی وسونا میں سے جس سے فقراء کو زیادہ نفع ہو اسی سے قیمت لگائی جائے۔

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ اموالِ تجارت میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے سونے چاندی کے نصابوں میں سے جس نصاب سے قیمت لگانے میں فقراء کا فائدہ ہو اسی سے قیمت لگائی جائے، اس مسئلہ میں اگرچہ بعض ائمہ کا اختلاف بھی ہے لیکن راجح قول

کے مطابق جس نصاب کا اعتبار کرنے میں فقراء کا زیادہ نفع ہے (وہی معتبر ہے) اس لئے اموالِ تجارت کے نصاب میں چاندی ہی کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ بدائع میں ہے:

”ان الدراھم والدنانیر وان کانا فی الثمنیة والتقویم بھما سواء لکنا رجحنا احدھما بمرجح وھو النظر للفقراء والاخذ بالاحتیاط اولیٰ الاتریٰ انہ لو کان بالتقویم باحدھما یتم النصاب وبالآخر لافانه یقوم بمایتم به النصاب نظر للفقراء واحتیاطا............ومشائخنا حملوا روایة کتاب الزکوٰۃ علی ماذاکان لایتفاوت النفع فی حق الفقراء بالتقویم بایھما (بدائع الصنائع ج۲ ص ۲۱)

”دراہم ودنانیر اگرچہ ثمنیت اوران دونوں کے ذریعے قیمت لگانے میں برابر ہیں لیکن ہم نے ان میں سے صرف ایک کو (مثلاً چاندی کو) ایک مرجح کی وجہ سے ترجیح دی اور وہ فقراء کا لحاظ ہے اور احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ایک سے قیمت لگانے میں نصاب پورا ہوجاتا ہو اور دوسرے سے پورا نہ ہوتا ہو، تو جس سے نصاب پورا ہوتا ہو اسی سے قیمت لگائی جائے، فقراء کا لحاظ کرکے اور احتیاط پر عمل کرکے اور مشائخ نے کتاب الزکوٰۃ کی تخییر والی روایت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جس صورت میں دونوں سے قیمت لگانے کی صورت میں فقراء کے نفع میں تفاوت نہ ہو“

مبسوط سرخسی میں ہے:

”ان المال کان فی یدالمالک وھو المنتفع به فی زمان طویل فلابد من اعتبار منفعة الفقراء عندالتقویم لاداء الزکوٰۃ فیقومھا بانفع النقدین“ (مبسوط سرخسی ج۲ ص ۱۹۱)

”(ادائیگی زکوٰۃ سے پہلے) مال مالک کے قبضے میں رہا ہے اور وہ ایک زمانہ تک اس سے فائدہ اٹھاتا رہا ہے، پس ادائیگی زکوٰۃ کے لئے قیمت لگانے کے وقت ضروری ہے کہ فقراء کے نفع کا اعتبار کیا جائے اور سونا چاندی میں سے جس سے قیمت لگانے میں

زیادہ نفع ہو اسی سے قیمت لگائی جائے''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اموالِ تجارت میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے فقراء کے نفع کا اعتبار کر کے چاندی اور سونا میں جس کی قیمت سے اموالِ تجارت کا نصاب پورا ہو جائے وہی معتبر ہوگا، چونکہ دورِ حاضر میں چاندی کے نصاب سے قیمت لگانے میں فقراء کا زیادہ نفع ہے اس لئے اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے وجوب میں چاندی ہی کا نصاب متعین ہوگا (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۱۷۱، ھدایہ ج ا ص ۱۷۵)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن میں قرآن پاک کی آیت ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''لاینفقونھا'' میں ھا کی ضمیر فضہ کی طرف راجع ہے جس کے معنیٰ چاندی کے ہیں، اوپر سونے اور چاندی دو چیزوں کا ذکر تھا، مگر ضمیر صرف چاندی کی طرف راجع کی گئی، تفسیرِ مظہری میں اس کو اشارہ اس باب کا قرار دیا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس سونا اور چاندی تھوڑا تھوڑا موجود ہو تو اعتبار چاندی کا کیا جائے گا، سونے کی قیمت بھی چاندی کے حساب میں لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی''

(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۶۸)

غور کیجئے! سونا اور چاندی جس کا الگ الگ نصاب شریعت میں متعین ہے لیکن جب کسی کے پاس سونا اور چاندی نصاب سے کم ہو تو اس صورت میں حکم ہوتا ہے کہ سونا اور چاندی دونوں کو ملا کر اور نصاب پورا کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے اور چوں کہ سونے کی قیمت چاندی سے لگانے میں چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے اس لئے قرآن کہتا ہے کہ سونے کی قیمت چاندی ہی سے لگائی جائے، کیوں کہ چاندی سے قیمت لگانے میں فقراء کا زیادہ نفع ہے تو سامانِ تجارت جس کا کوئی الگ نصاب متعین نہیں ہے، بلکہ اس کا نصاب چاندی سونے کے تابع ہے تو اس کے اندر تو بدرجہ اولیٰ چاندی کا نصاب متعین ہوگا۔ علاوہ ازیں چاندی کا نصاب جس قدر قوی دلیل سے ثابت ہے سونے کے

نصاب کے لئے اتنی قوی دلیل موجود نہیں ہے، یہ بھی اس بات کا مقتضی ہے کہ چاندی کے نصاب کو ترجیح دی جائے .... نیز شریعت میں وجوبِ زکوٰۃ کے جو مقاصد ہیں ان کے حصول میں چاندی کا نصاب جتنا مفید و مؤثر ہوسکتا ہے، سونے کا نصاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ چاندی کے نصاب کے اپنانے کی صورت میں وجوبِ زکوٰۃ کے مقاصد کا حصول پہلے ہوگا، لیکن سونے کے نصاب میں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، کمالایخفیٰ، اس لئے اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ چاندی کے نصاب کو راجح قرار دیا جائے۔ الغرض فقہائے کرام کی تصریحات، فقراء کے نفع، عبادات میں احتیاط، قرآن پاک کا اشارہ، چاندی کے دلائل کی قوت، وجوبِ زکوٰۃ کے مقاصد، یہ تمام اموالِ زکوٰۃ میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے چاندی کے نصاب کے راجح ہونے پر دال ہیں، اس لئے چاندی ہی کے نصاب کو اموالِ تجارت میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے مفتیٰ بہ قرار دینا چاہئے، فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم" (جدید فقہی مباحث ج ۷ ص ۵۷۶ تا ص ۵۸۰)

مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

"بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ مختلف اشیاء موجود ہوں، مگر ان میں سے کوئی الگ الگ نصاب کی اقل حد تک نہ پہنچے یا اموالِ تجارت ہوں تو ایسے میں کیا کیا جائے، ضمِ نصاب میں کس کی رعایت کی جائے اور تقویم میں کسے معیار مانا جائے۔ اس سلسلے میں دو اہم اصول فقہاء نے بیان کئے ہیں:

(۱)...... پہلا یہ کہ تعیینِ نصاب اور ضمِ نصاب میں فقراء کی رعایت کی جائے گی اور دیکھا جائے گا کہ انفع للفقراء کی صورت کون سی ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"**یقومھا بماھو انفع للمساکین احتیاطالحق الفقراء**" (ھدایہ باب زکوٰۃ الاموال ج ۱ ص ۱۹۵)

فخر الدین عثمان بن علی زیلعی لکھتے ہیں:

"**ویعتبر فیھما الانفع ایھما کان انفع للمساکین**" (تبیین الحقائق شرح

کنزالدقائق ج ۱ ص ۲۷۹)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء قدراورواجا" (فتاویٰ ھندیة ج ۱ ص ۱۷۹)

(۲)......دوسرا اصول یہ ہے کہ تقویم میں تخییر کے باجود اعتبار اس کا ہوگا، جس سے نصاب کی تکمیل ہوسکے...........بنایہ میں ہے:

"لابد ان یقوم بمایبلغ نصابا حتی اذاقومت بالدراھم تبلغ نصابا واذاقومت بالذھب لاتبلغ نصابایقوم بالدراھم وبالعکس کذالک" (بنایه علی ھامش ھدایة ج ا ص ۱۷۵)

بحرالرائق میں ہے:

"وفی النھایة لوکان تقویمه باحد النقدین یتم النصاب وبالأخر لافانه یقومه بمایتم به النصاب بالاتفاق...........فقد قال فی الظھیریة رجل له عبدللتجارة ان قوم بالدراھم لاتجب فیه الزکوٰة وان قوم بالدنانیر تجب فعند ابی حنیفة یقوم بماتجب فیه ا لزکوٰة دفعا لحاجة الفقیر وسد الخطیئة" (بحرالرائق لابنِ نجیم ج ۲ ص ۲۲۹)

اورآخرمیں ساری بحثوں کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالحاصل ان المذھب تخییرہ الااذاکان لایبلغ باحدھما نصابا تعین التقویم بمایبلغ نصابا وھومراد من قال یقوم بالانفع ولذاقال فی الھدایة وتفسیر الانفع ان یقومھا بمایبلغ نصابا" (بحرالرائق لابنِ نجیم ج ۲ ص ۲۲۹)

درمختار میں ہے:

"ولوبلغ باحدھما نصابادون الآخر تعین مایبلغ به" (درمختار ج ۲ ص ۳۱)

صاحبِ ہدایۃ اور کچھ دوسرے فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ یہ دونوں اصول الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہے اور انفع للفقراء کا مطلب ''یقومھا بمایبلغ بہ نصابا '' (ہدایہ، ج۱ص ۱۹۵) ہے، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

''واعتبار الانفع مذهب ابی حنیفة ومعناه یقوم بها یبلغ نصابا'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص ۲۷۹)

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

''وعن ابی حنیفة رحمه اللّٰہتعالیٰ فی الامالی انه یقومها بانفع النقدین للفقراء'' (مبسوط ج۲ص ۱۹۱) [۱]

بہرکیف ان دونوں اصولوں کے ساتھ اصل نصاب کی تعیین میں ایک اور بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ چاندی کا نصاب متفق علیہ ہے، اوراس سلسلے میں واضح احادیث موجود ہیں:

بدایۃ المجتہد میں ہے:

''فانهم اتفقوا علی انه خمس اواق لقوله علیه السلام الثابت لیس فیها دون خمسة اواق من الورق صدقة'' (بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۸۶)

اس کے برعکس سونے کے نصاب میں کافی اختلاف ہے جس کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے صاحبِ بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں:

''وسبب اختلافهم فی نصاب الذهب انه لم یثبت فی ذالک شئ عن النبی ﷺ کما ثبت ذالک فی نصاب الفضة'' (بدایة المجتهد ج ۱ ص ۱۸۶)

---

[۱] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی امالی کی اس روایت کے پیشِ نظر بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ امام صاحب سے ظاہر الروایۃ کے مطابق مالک کے لیے بہرحال تقویم میں اختیار ہے، خواہ ذہب وفضہ دونوں کے اعتبار سے نصاب پورا ہوتا ہو، یا ان میں سے ایک کے اعتبار سے نصاب پورا ہوتا ہو اور دوسرے کے اعتبار سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے اصل مذہب میں مالک بہرصورت صاحبِ اختیار ہے۔

سوالات کے جوابات:

(ا)......ان اقتباسات اور مباحث کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ اصل نصاب چاندی کو قرار دیا جائے، اس لئے کہ:

(الف)......یہ فقراء کے لئے زیادہ نفع بخش ہے (ب)......سونے کی بہ نسبت سستی ہونے کی وجہ سے نصاب کی تکمیل آسانی سے ہوسکتی ہے (ج)......اس کا نصاب صحیح حدیث سے ثابت ہے اور فقہاء سب کے سب متفق ہیں'' (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جدید فقہی مباحث ج۶ ص ۴۴۶ تا ص ۴۴۸)

لہٰذا مولانا موصوف نے اپنے مضمون میں بغیر کسی قید کے مالک کو تقویم کے اختیار کا جو موقف بیان فرمایا ہے اس کی وضاحت کرنا مناسب تھا، اور اگرچہ صفحہ نمبر۶۰ پر مختصر اور دبے ہوئے لفظوں میں متاخرین فقہائے کرام کے چاندی کے نصاب کو معیار قرار دینے کا تذکرہ فرمایا ہے مگر وہ اتنا مجمل اور مختصر ہے کہ ایک قاری کے ذہنی اطمینان کے لئے کافی نہیں، فقہائے کرام نے تقویم میں اختیار وعدمِ اختیار کی صورتیں جس صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں اس کے مقابلہ میں یہ اجمال کئی شبہات کا باعث معلوم ومحسوس ہوتا ہے۔

شارع علیہ السلام کے دور میں نصابِ ذھب وفضہ کے مساوی ہونے کی بحث

﴿۵﴾......صفحہ نمبر۵۸ پر مولانا موصوف نے ''تقویم میں اختیار کی وجہ'' عنوان قائم کرکے یہ تحریر فرمایا ہے:

''مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اختیار کیوں دیا گیا ہے اور کسی ایک کو متعین کیوں نہیں کیا گیا ہے؟

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں (سونا اور چاندی) ثمن خلقی ہیں اور عہدِ نبوی ﷺ میں ان دونوں کے ساتھ تجارت ہوا کرتی تھی اور یہ دونوں نصاب مالیت میں برابر تھے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر۵۸)

اور پھر اس کے بعد حضور ﷺ کے دور میں دینار کے دس درہم کی قیمت کے مساوی ہونے سے متعلق متعدد فقہائے کرام کی عبارات نقل فرمائی ہیں۔

مولانا موصوف کی اس بات میں تو شبہ نہیں کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک دینار دس درہم کی مالیت کے مساوی اور بیس دینار (سونے کا نصاب) دوسو درہم (چاندی کے نصاب) کے مساوی تھا، لیکن دینار ودرہم کی مالیت ایسی چیز ہے جو اَزمِنہ واَمکِنہ کے اختلاف، طلب ورسد کی کمی وزیادتی اور قلتِ وجود وکثرتِ وجود کی وجہ سے مختلف ہوسکتی ہے، شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ اسی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولا یقال الدینار کان مقوما بعشرة علی عهد رسول اللہ ﷺ لان ذالک شئ یختلف باختلاف الاوقات والامکنة فی قلة الوجود و کثرة الوجود ولیس هذاالحکم شرعیا لیصار فی معرفته الی ماکان فی عهد رسول اللہ ﷺ“ (المبسوط للسرخسی الجزء التاسع من المجلد الخامس ص ۲۱۱ کتاب السرقة، السارق دین علی المسروق منه)

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے عروض التجارۃ میں نصابِ فضۃ کی تعیین کے بجائے ذھب وفضۃ میں سے ادنی النصاب کی قید لگائی ہے، کیونکہ کسی بھی دور میں سونے کی مالیت کے چاندی پر اور چاندی کی مالیت کے سونے پر غالب آنے یا مساوی ہونے کا امکان لگا ہوا ہے۔

صفحہ نمبر ۵۷ پر عبارت نمبر ۳ اور نمبر ۴ جو المجموع شرح المھذب کے حوالہ سے مولانا موصوف نے تحریر فرمائی ہے، جس میں دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے تقویم کا اختیار مذکور ہے، ان دونوں عبارات میں منھما کا مرجع ذھب وفضۃ نہیں ہے، بلکہ یہاں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر کسی شہر میں دو قسم کے نقد کا رواج ہو تو کس کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی اس میں بھی چار اقوال ہیں، چنانچہ مکمل عبارت یہ ہے:

”فان کان فی البلد نقدان قوم باکثرهما معاملة وان کانا مساویین نظرت فان کان باحدهما یبلغ نصابا وبالاٰخر لایبلغ نصابا قوم بما یبلغ

به لانه قد وجد نصاب تتعلق به الزكوٰة فوجب التقويم به وان كان يبلغ بكل واحد منهما نصابا ففيه اربعة اوجه احدهما انه يقوم بما شاء وهو قول ابی اسحاق وهو الاظهر لانه لامزيته لاحدهما على الاخر فخير بينهما، والثانی يقوم بماهوانفع للمساكين كما اذااجتمع فی النصاب فرضان اخذ ماهوانفع للمساكين" (المجموع شرح المهذب ،باب زكوٰة التجارة ،حال الحول على عرض التجارة)

نصابِ ذہب وفضہ کی مالیت میں غیر معمولی تفاوت کا مسئلہ

﴿۶﴾......صفحہ نمبر ۶۰ پر مولانا موصوف نے شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

''عہدِ بنوامیہ میں درہم کی قیمت گھٹنی شروع ہوگئی اورایک دینار بارہ درہم کے برابر ہوگیا اور دورِ عباسی میں ایک دینار پندرہ درہم کے نسبت مساوی تھا (الخروج الدولۃ الاسلامیۃ ص ۳۴۷) اور عہدِ فاطمی میں درہم کی قیمت اس قدر ارزاں ہوگئی کہ ایک دینار کے بدلے ۳۴/ درہم مل جاتے تھے (الخطط التوفیقیہ ۲/ ۴۳ بحوالہ جدید فقہی مباحث ۷/ ۴۳)

اور سونا اس دور سے لے کر آج تک اپنے مقام پر برقرار رہا ہے، اسی وجہ سے سونے کی اصلیت کی حیثیت حاصل ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۰)

اگر یہ بات درست مان لی جائے کہ واقعی دورِ عباسی میں ایک دینار بارہ درہم کے برابر اور عہدِ فاطمی میں ایک دینار چونتیس درہم کے برابر ہوگیا تھا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عہدِ فاطمی میں بیس دینار (سونے کا نصاب) چھ سواسی درہم کے برابر ہوگئے تھے، اور تقریبا تین گنا تفاوت واقع ہوگیا تھا، فی دینار کے مقابلہ میں بارہ درہم کا اضافہ ہوگیا تھا، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود بھی فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس تفاوت کا اعتبار نہیں فرمایا اور انفع للفقراء کی قید کو برقرار رکھا۔

اس تناظر میں سونے چاندی کے نصاب میں آج تناسب دیکھا جائے تو تقریباً چھ گناہ تفاوت

بنتا ہے، چنانچہ اس وقت (۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ، 8 جون 2006ء بروز جمعرات دوپہر ڈھائی بجے) صرافہ بازار راولپنڈی میں فون کرنے پر معلوم ہوا کہ سونا چودہ ہزار روپیہ فی تولہ ہے، اور چاندی تین سو روپیہ فی تولہ ہے،

اس لحاظ سے ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت مبلغ ایک لاکھ پانچ ہزار روپیہ اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پندرہ ہزار سات سو پچاس روپیہ بنتی ہے، جس میں تقریباً ساڑھے چھ گنا کا تناسب ہے۔

مگر اس تناسب میں یہ دعویٰ کہ سونا اس دور سے لے کر آج تک اپنے مقام پر جملہ اَزمنہ وامکِنہ میں برقرار رہا (جیسا کہ مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے) قابلِ تأمل اور دعویٰ بلا دلیل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''پھر سونے اور چاندی کی قیمتوں میں موجود تفاوت اور بڑھتے ہوئے معیارِ زندگی کے پسِ منظر میں جو اشکال سوالنامے میں کیا گیا ہے اگر وہ واقعی اشکال ہے تو یہ پچھلے زمانوں میں بھی پیش آچکا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کو ہم سے بہت زیادہ پیش آیا ہوگا، کیونکہ اس وقت دنیا کی فاتح قوم مسلمان تھے، قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں اور خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو چکے تھے، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ ممالک کا مالِ غنیمت اور فیئ ان میں تقسیم ہو رہا تھا، وہ کروڑوں غیر مسلموں کا جزیہ وخراج وصول کر رہے تھے بین الاقوامی تجارت میں ان کو برتری حاصل تھی ان کا ترقی یافتہ تہذیب وتمدن دوسری قوموں کے لئے قابلِ رشک بنا ہوا تھا، مال ودولت کی فراوانی کے باعث مستحقینِ زکوٰۃ آسانی سے نہ ملتے تھے، برخلاف ہمارے، جو اس وقت دنیا کی پس ماندہ قوم بن کر جی رہے ہیں ہمارا معیارِ زندگی دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنا بلند نہیں ہوسکتا جتنا ہمارے اسلاف کا اپنی معاصر اقوام کے مقابلہ میں تھا، اس کے باوجود انہوں نے نصاب کی سطح بلند کرنے کی کوشش کی نہ ایک نصاب کو دوسرے کے قیمت کے تابع کرنا منظور کیا، حالانکہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں جو نسبت عہدِ رسالت اور دورِ

خلافتِ راشدہ میں تھی بعد کی صدیوں میں وہ نسبت باقی نہ رہی تھی، عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ میں ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، لیکن دورِ بنوامیہ کے نصف آخر میں اس کی قیمت بارہ درہم ہوگئی، بنوعباس کے دور میں یہ قیمت بڑھ کر پندرہ درہم سے بھی تجاوز کرگئی اور فاطمین کے زمانہ میں حاکم کے دورِ حکومت میں تو یہ قیمت ۳۴ درہم تک جا پہنچی اور بعض اوقات ۳۵ درہم تک ایک دینار کی قیمت ہوگئی تھی، خلاصہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اس تفاوت سے جس طرح ہم کو واسطہ پیش آ رہا ہے ہمارے اسلاف کو بھی اپنے دورِ عروج میں پیش آ چکا ہے، مگر انہوں نے پھر بھی ایک کے نصاب کو دوسرے کی قیمت کے تابع نہیں کیا، چاندی کا نصاب الگ رکھا، سونے کا الگ، جس کی وجہ وہی ہے کہ یہ نصاب آنحضرت ﷺ کا مقرر فرمودہ ہے اور پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے (نوادرالفقہ ج۱صفحہ نمبر ۳۵۵ تا ۳۵۷، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی 2003ء)

مولانا ڈاکٹر مفتی عمران الحق کلیانوی (مشیر مذہبی امور، جامعہ کراچی) لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی ایک زمانہ تک چاندی اور سونے کی قیمت میں تقریباً اسی قدر تفاوت تھا جس قدر ان کے نصاب میں تفاوت ہے۔ اس زمانہ میں ایک دینار سونے کا دس نقرہ کی قیمت کے برابر تھا۔ اس حساب سے سونا تقریباً دس روپے تولہ ہوتا تھا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: **وفی الهداية كل دينار عشرة دراهم فی الشرع**

(ج۵ ص ۵۵)

اور اس سے پہلے ہے:

وحاصله أن الدينار اسم للقطعة من الذهب المضروبة المقدرة بالمثقال فاتخاذهما من حيث الوزن۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت بیس مثقال سونے کی تھی، وہی قیمت دوسو درہم

کی بھی تھی۔اب بہت تفاوت ہے۔

حکم میں چونکہ صراحت ہے اس لیے کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا‘‘ (کتاب الکفالۃ والنفقات ص۳۴۴، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

کیونکہ خصوصاً ہمارے ملک میں سونے کی طلب اور سونے کا استعمال (چاندی کے مقابلہ میں) جتنا زیادہ ہوگیا ہے وہ ہمارے مشاہدے کی حد تک دس بیس سال پہلے نہیں تھا، اس وقت چاندی کے زیورات کا استعمال غیر معمولی زیادہ تھا اور سونے کا استعمال خال خال ہی نظر آتا تھا، اُس وقت چاندی کی طلب زیادہ اور سونے کی طلب کم ہونے کی وجہ سے چاندی کی قیمت سونے کے مقابلہ میں اتنی سستی نہ تھی، لیکن آج سونے کی طلب اور اس کا استعمال زیادہ بڑھنے سے اس کے قرائن زیادہ نظر آتے ہیں کہ سونے کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔

جیسا کہ اپنے اسی رسالہ کے صفحہ نمبر۶۰ پر مولانا موصوف نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

’’چاندی کی طرف کوئی دیکھتا ہی نہیں‘‘

کیا سونے پر اشیاء کے تعین وتبادلہ کا مدار ہے؟

﴿۷﴾......صفحہ نمبر۶۰ پر مولانا موصوف نے یہ عنوان قائم کیا ہے ’’عالمی منڈی میں سونا اساس ہے‘‘ اور اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ:

’’آج کل عالمی منڈی کے لحاظ سے بھی ہمیں سونے کے نصاب سے قیمت لگانی پڑے گی، اس لئے کہ بین الاقوامی سطح پر سونا ہی ایک ایسی دھات ہے جو اشیاء کے تعین کے کام آتی ہے، اور اسی سے مبادلہ ہوتا ہے، چاندی کی طرف کوئی دیکھتا ہی نہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ موجودہ دور میں اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی میں زکوٰۃ کے لئے سونے کے نصاب کو معیار قرار دیا جائے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معاشی طور پر بھی چاندی کو زکوٰۃ یا دیگر عباداتِ مالیہ کے نصاب کے لئے روپے سے منسلک کر کے بنیاد بنانا مناسب نہیں، اس لئے چاندی کی قیمت میں اضافہ سے ضروریاتِ زندگی کی

قیمتوں میں اضافہ بہت کم ہوتا ہے، جبکہ سونے کی قیمت میں اضافہ سے ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں اضافہ عموماً ہوتا رہتا ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۰ و صفحہ نمبر ۶۱)

اولاً تو خود یہ مسئلہ ہی اس دور میں معاشی اعتبار سے غور طلب ہے کہ اشیاء کے تعین وتبادلہ کا مدار سونے پر ہے یا کسی خاص کرنسی مثلاً ڈالر پر یا کسی اور معدن مثلاً پٹرول وغیرہ پر۔

اور معاشیات کے فن دانوں نے کرنسی کی قیمتوں کے اشاریوں کے ساتھ تعین کرنے میں بڑی بحث کی ہے، اگر سونا ہی تبادلہ کا ذریعہ ہوتا تو سونے کے ساتھ کرنسی کی مالیت کا تناسب طے کر لینا بہت آسان تھا، لیکن موجودہ کرنسی نوٹوں کا کسی دوسرے ثمن کے ساتھ ربط اور تعلق نہیں بلکہ وہ خود مستقل اصطلاحی ثمن ہے اس لئے اس کو کسی دوسری چیز کی مالیت کے ساتھ وابستہ نہیں کیا گیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فقہی مقالات ج ا ص ۶۹، مؤلفہ: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)

دوسرے اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تبادلہ پر تعین کا مدار ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مالِ تجارت کو دراہم ودنانیر جس چیز سے خرید کیا گیا اس کا اعتبار کرنے کے بجائے انفع للفقراء کا کیوں اعتبار فرمایا، جبکہ یہاں تو تعین میں کوئی مشکل بھی نہ تھی (فقہائے کرام کی اس سلسلہ میں جامع عبارت ''المغنی لابن قدامہ'' کے حوالہ سے نمبر ۳ میں گزری)

جہاں تک ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں میں چاندی کے ذریعہ کم اضافہ اور اس کے مقابلہ میں سونے کے ذریعے زیادہ اضافہ ہونے کا تعلق ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ سال بھر کی ضروریاتِ زندگی میں خرچ ہو جانے والی مقدار کو تو شریعت نے خود ہی وظیفۂ زکوٰۃ سے خارج کر دیا ہے۔

سونے کی قیمت مستحکم اور چاندی کی قیمتِ خرید مختلف ہوتی رہنے کی بحث

﴿۸﴾......صفحہ نمبر ۶۱ پر مولانا موصوف نے ''سونے کو معیارِ نصاب بنانے پر دلائل'' کا عنوان قائم کر کے تحریر فرمایا ہے۔

”اس لئے بعض اصحابِ تحقیق نے موجودہ دور کے حالات کے مطابق سونے کے نصاب کو معیار مقرر کرنے کو راجح قرار دیا ہے، اور اس رائے کی ترجیح کے لئے کئی دلائل موجود ہیں“

اور پھر اس کے بعد پہلی دلیل علامہ دکتور یوسف القرضاوی صاحب کی کتاب ”فقہ الزکوٰۃ“ کے حوالہ سے یہ پیش فرمائی ہے کہ:

”ان الفضة تغيرت قيمتها بعض عصر النبی ومن بعده وذالک لاختلاف قيمتها بعد عصر النبی ﷺ ومن بعده وذالک لاختلاف قيمتها باختلاف العصور كسائر الاشياء واما الذهب فاستمرت قيمته ثابتة الی حد بعيد ولم تختلف قيمة النقود الذهبية باختلاف الازمنة لانها وحدة التقدير فی كل العصور وهذا مااختاره الاساتذة ابوزهرة وخلاف وحسن فی بحثهم عن الزكوٰة ،ويبدولی ان هذا القول سليم الوجهة قوی الحجة“ (فقه الزكوة جلد ١ صفحه ٢٦٤)

”بے شک چاندی کی قیمتِ خرید دورِ نبوی ﷺ کے بعد زمانے کے اختلاف سے دیگر اشیاء کی طرح مختلف ہوتی رہی ہے اور سونے کی قیمت ہر وقت اور ہر دور میں برقرار رہی ہے، اس کی قیمت پر زمانے کے اختلاف سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوا ہے اور ہر زمانے میں اس کی قیمت ایک ہی رہی، اسی کو استاذ ابوزہرہ، استاذ خلاف اور استاذ حسن نے زکوٰۃ کی بحث میں اختیار کیا ہے، اور میرے اوپر یہ واضح ہوا کہ یہ قول صحیح اور قوی الحجۃ ہے“

اور یہی بات ماقبل میں بدائع، فتح القدیر، فتاویٰ ابنِ تیمیہ اور دیگر معتمد کتابوں کے حوالوں سے بیان ہوئی کہ دورِ نبوی ﷺ میں سونے اور چاندی کے نصاب میں ۱:۱۰ کا تناسب تھا، یعنی ایک دینار دس کے برابر تھا، مگر آج کل تو ان دو نصابات میں زمین و آسمان کی نسبت ہے“ (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۱،۶۲)

مگر جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا کہ اس پر دلیل درکار ہے کہ سونے کی قیمت دورِ نبوی سے لے کر آج تک اپنی حالت پر برقرار ہے اور اس پر زمانے کے اختلاف سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوا، خصوصاً جبکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کے ساتھ ساتھ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے، چنانچہ صرافہ مارکیٹ میں کسی بھی ایک دن کا مشاہدہ کرنے سے یہ چیز واضح ہوسکتی ہے کہ سونے کی قیمت میں ایک ہی دن میں کتنی مرتبہ معمولی اور غیر معمولی درجہ کا اتار چڑھاؤ آتا ہے، ہر گھنٹہ کے بعد سونے کے عالمی نرخ میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور اس قسم کا تیزی سے تغیر دیگر عام اشیاء کی قیمتوں میں مشاہدہ میں نہیں آتا۔

پھر مولانا موصوف نے صفحہ نمبر ۶۲ پر اس پہلی دلیل پر اعتراض کا جواب تحریر فرماتے ہوئے خود ہی اس بات کا اعتراف بھی ان الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے کہ:

''بازار میں سونے چاندی کی قیمت معلوم کی جائے تو آج ایک بھاؤ تو کل دوسرا''

(اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی دونوں کی قیمتوں میں بڑی تیزی سے اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، سوال یہ ہے اتنی تیزی سے اُتار چڑھاؤ کی بنیاد کس چیز پر قائم ہے، اور جب سونے وچاندی دونوں کی قیمتوں میں اُتار چڑھاؤ تسلیم کیا جا رہا ہے تو سونے کی قیمت کے ہر دور میں برابر رہنے کا دعویٰ کیسے صحیح ہوا؟

اس کے علاوہ تاریخی حوالوں میں چاندی کی قیمت کے بجائے چاندی کے مضروب دراہم کی قیمتوں میں اُتار چڑھاؤ کا ذکر ہے، جس کی وجہ مضروب دراہم میں چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی آمیزش اور چاندی کی مقدار کا کم زیادہ ہونا ہے۔

چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے:

''ولا يقال الدينار كان مقوما بعشرة على عهد رسول الله ﷺ لان ذالک شئ يختلف باختلاف الاوقات والامكنة فى قلة الوجود و كثرة الوجود وليس هذاالحكم شرعيا ليصار فى معرفته الى ماكان فى عهد

رسول اللہ ﷺ" (المبسوط للسرخسی الجزء التاسع من المجلد الخامس ص ۱۱۲ کتاب السرقة، السارق دین علی المسروق منه)

کیا کرنسی اور مالِ تجارت میں نصابِ فضہ کی مالیت اب بھی انفع للفقراء ہے؟

﴿۹﴾...... صفحہ نمبر ۶۳ پر مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"قدیم زمانے میں انفع للفقراء ہونے کی وجہ سے فقہائے کرام نے اجتہاداً چاندی کو معیارِ نصاب بنایا تھا، چونکہ حالات کی تبدیلی کی وجہ سے احکامات میں تبدیلی ناگزیر ہے اس لئے یہاں بھی حالات کی بناء پر تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے، کہ سونے کو دیگر اموال کے لئے معیارِ نصاب بنایا جائے" (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۳)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جمہور فقہائے کرام تو اب تک ادنیٰ نصاب جو کہ آجکل چاندی ہے کو انفع للفقراء قرار دے رہے ہیں، اور چاندی کو نصاب بنانے میں آج بھی انفع للفقراء ہونے کی علت موجود ہے، اور زکوٰۃ کی مقدار میں صرف ڈھائی فیصد ایک سال کے بعد ادائیگی معطیین کے لئے اضر تو درکنار ضرر کا بھی باعث نہیں، اسی طرح صدقۂ فطر بھی سال میں ایک مرتبہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا ادا کرنا کوئی بھی مشکل کام نہیں، خصوصاً آج کل کی ایک عام زندگی جس کا زینت اور نمود و نمائش حصہ بن گئی ہو، تو اس حالت میں پونے دو سیر گندم کی قیمت ادا کرنے میں کیا حرج وتنگی ہے؟

جہاں تک قربانی کی ادائیگی میں واقعی مشکلات پیش آنے کا معاملہ ہے، تو مولانا موصوف کو اپنی بحث اور دلائل کا معاملہ اس حد تک محدود رکھنا چاہئے۔

جیسا کہ خود بیان فرماتے ہیں کہ:

"جو حکم ضرورت کے تحت تبدیل ہو جائے تو وہ ضرورت ہی کے حد تک محدود ہوتا ہے، جب ضرورت زائل ہو جائے تو وہ حکم اپنے مقام کو دوبارہ واپس آ جاتا ہے" (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۴)

اس اصول کی رُو سے ضرورت کی حد تک یہ حکم محدود رکھنا چاہئے، جہاں تک چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے میں مولانا موصوف کے دعوے کے مطابق اٹھانوے فیصد افراد اس کی زد میں آنے کا تعلق ہے تو اس پر کلام آگے بعنوان ''کیا سونے کو معیارِ نصاب بنانا اِس وقت انفع للفقراء ہے؟'' نمبر﴿۳۰﴾ کے ذیل میں آتا ہے۔

سونے کے نصاب کی مالیت کے دیگر نصابوں کے قریب اور چاندی کے نصاب سے متفاوت ہونے کا مسئلہ

﴿۱۰﴾...... صفحہ نمبر ۶۴ پر مولانا موصوف نے دوسری دلیل کا عنوان قائم کر کے علامہ قرضاوی صاحب کے حوالہ سے سونے کی مالیت کو معیارِ نصاب بنانے کی یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ:

''اموالِ زکوٰۃ کے دیگر نصابوں مثلاً پانچ اونٹ، چالیس بکریوں یا پانچ وسق کشمش یا کھجور کا موازنہ کیا جائے تو دورِ حاضر میں سونے کے نصاب کے برابر ہونگے، چاندی کے نہیں۔الخ'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۴)

اس دلیل کو اگر معتبر مانا جائے تو کرنسی اور مالِ تجارت کی مالیت سے قطعِ نظر یہ شبہ تو خود دوسو درہم چاندی کی مقدار پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ایک طرف تو شارع علیہ السلام کے نزدیک پانچ اونٹ، چالیس بکریوں اور بیس دینار والا غنی قرار پاتا ہے اس سے کم نہیں اور دوسری طرف صرف دوسو درہم کا مالک غنی قرار پاتا ہے، تو جو تفاوت سونے اور دیگر مذکورہ نصاب کے درمیان اور مالِ تجارت وکرنسی کی مالیت کا چاندی کے ساتھ اعتبار کرنے کے درمیان پایا جاتا ہے، وہی تفاوت سونے ودیگر اموالِ زکوٰۃ کے نصابوں اور چاندی کے نصاب کے درمیان بھی پایا جاتا ہے، غرضیکہ اگر مالِ تجارت وکرنسی کو سونے کی مالیت کے ساتھ جوڑ کر تقارب کر بھی دیا گیا تو خود چاندی کی مالیت اور سونے ودیگر مذکورہ اموالِ زکوٰۃ کے درمیان تقارب تو پھر بھی قائم نہ ہوگا، اور اگر اصل (یعنی نفسِ چاندی دوسو درہم اور بیس مثقال سونے) کے درمیان ہی تقارب نہ ہو تو اس کی فرع (یعنی دوسو درہم چاندی کی مالیت اور بیس مثقال سونے کی مالیت) کے درمیان تقارب نہ ہونا

کونسا مضر ہے؟

نصابوں کے درمیان تقارب قائم رکھنے اور تفاوت نہ ہونے کی کوئی تصریح ہماری معلومات کی حد تک شارع علیہ السلام سے منصوص طور پر منقول نہیں، فقہائے کرام نے بھی جملہ اموالِ زکوٰۃ کے درمیان تقارب پر کوئی خاطرخواہ زور نہیں دیا، اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی حکمِ شرعی متفرع کیا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عشر کے نصاب کا قضیہ پہلے گزر چکا ہے، پھر عشر کشمش یا کھجور کے ساتھ خاص نہیں کہ کھجور یا کشمش سے ہی اس کی مثال پیش کی جائے، بلکہ جَو، گندم اور چاول وغیرہ سے بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے، اور ظاہر ہے کہ پانچ وسق ان اشیاء کی جو قیمت و مالیت ہے، وہ پانچ وسق کشمش و کھجور میں واجب ہے، اسی طرح دیگر فصلوں میں بھی واجب ہے، کیا خود پانچ وسق عشری اجناس کی مالیتوں کے درمیان بھی تقارب پایا جاتا ہے، اگر جواب اثبات میں ہے تو بدیہی البطلان ہے، اور اگر نفی میں ہے تو پھر جب خود پانچ وسق عشری اشیاء کی مالیت ہی کی تعیین کا قضیہ حل نہ ہوسکا، تو دوسری غیر عشری اشیاء کے ساتھ تقارب و مساوات کا قضیہ کیسے حل ہوسکے گا؟

اشیاء کے مہنگا و سستا ہونے میں زمان و مکان کا اختلاف ممکن ہے

﴿۱۱﴾...... صفحہ نمبر ۶۵ پر مولانا موصوف نے مولانا انور علی الاعظمی صاحب (ہندوستان) کی طرف سے دلیلِ ثانی کی یہ تردید نقل فرمائی ہے کہ:

> علامہ یوسف قرضاوی صاحب کی اس دلیل سے ہمیں اتفاق نہیں، ممکن ہے کہ ان کے ملک میں چاندی بہت سستی ہو اور بکریاں بہت مہنگی ہوں لیکن ہمارے ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی تقریباً پانچ ہزار روپے کے برابر ہوتے ہیں اور اتنے روپیہ میں دس بکریاں بآسانی خریدی جاسکتی ہیں، لہٰذا چاندی کو نصابِ زکوٰۃ کے مسئلے میں اصل حیثیت آج بھی حاصل ہوگی۔

اور پھر اس کے جواب میں مولانا موصوف نے فرمایا ہے کہ:

> ''اتنی رقم سے دس بکریاں خریدنا موجودہ دور میں کچھ بعید از عقل ہے، اس لئے کہ آج

کل اعلیٰ قسم کی ایک بکری کی قیمت پانچ چھ ہزار سے کم نہیں، اور درمیانی قسم کی بکری ڈھائی ہزار سے لے کر تین ہزار تک ہے، جبکہ بالکل ادنیٰ قسم کی بکریاں خریدنا چاہئے تو بمشکل تین بکریاں خریدی جاسکتی ہے، اور یہ کوئی اٹکل کی بات بھی نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۵)

مگر اس میں کلام یہ ہے کہ مولانا انور علی اعظمی صاحب نے اپنے علاقہ وملک کا اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے اور مولانا موصوف نے اپنے علاقہ وملک کا مشاہدہ بیان کیا ہے اور اس کا امکان موجود ہے کہ ایک مخصوص ملک وعلاقہ کی صورتِ حال کچھ اور رہا ہو اور اس کے مقابلہ میں دوسرے ملک وعلاقہ کی صورتِ حال کچھ اور رہا ہو اور جس شخص نے مولانا انور علی اعظمی صاحب کے ملک ہندوستان کی حالت کا مشاہدہ کیا ہو (جیسا کہ بندہ کا مشاہدہ ہے) نیز جو شخص ہندو پاکستان کی کرنسی کی مالیت کے باہمی تناسب سے واقف ہو اور جس زمانے میں مولانا انور علی اعظمی صاحب نے اپنی تحریر مرتب کی ہے اس وقت کو سامنے رکھا جائے تو مولانا انور علی اعظمی صاحب کی بات اپنے زمانے، علاقہ اور اپنی کرنسی کے اعتبار سے درست قرار پاتی ہے، اور مولانا موصوف کا مشاہدہ اپنے زمانے اور علاقہ کے اعتبار سے درست ہے، لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی ٹکراؤ نظر نہیں آتا۔

پھر کشمش، کھجور سمیت، اونٹوں اور بکریوں کی قیمت ہر علاقہ میں مختلف ہے، ضروری نہیں کہ ہر جگہ پانچ اونٹوں اور چالیس بکریوں کی قیمت سونے کے نصاب کے قریب ہو، اور اگر بالفرض قریب ہو بھی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام سے اس تقارب ومساوات کا ملحوظ رکھنے کا ثبوت کہاں ہے؟ اور خود دو سو درہم چاندی کی مالیت کا بیس مثقال سونے کے ساتھ تقارب کس طرح طے کیا جائے گا؟ یہ تفاوت تو برقرار رہے گا ہی، اگر یہ تفاوت وتباعد گوارا ہے تو اس کی مالیت (کرنسی اور مالِ تجارت) میں گوارا ہونے میں کیا عذر ہے؟

چاندی کے نصاب اور اس کی مالیت میں فرق کیوں؟

﴿۱۲﴾...... صفحہ نمبر ۶۶ پر مولانا موصوف نے چاندی کے معیارِ نصاب ہونے کی ''تیسری دلیل''

کا عنوان قائم کر کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے علامہ یوسف قرضاوی صاحب کے قلم سے تحریر شدہ یہ بات نقل فرمائی ہے کہ:

''چاندی کے پانچ اوقیہ کو اس لیے مقدارِ نصاب مقرر کیا گیا تھا کہ اتنی مقدار چاندی ایک گھر والوں کے سال بھر کے خرچ کی کفایت کرتی ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۶)

جس کو نقل فرما کر علامہ قرضاوی صاحب لکھتے ہیں:

کیا آج کل ہم اسلامی ممالک کے کسی ملک کے پچاس یا اس کے مثل سعودی عرب یا مصر یا قطر کے ریالات یا پاکستانی اور ہندوستانی روپیہ ایک سال کے نفقہ کی کفایت کر سکتی ہے، بلکہ وہ تو ایک ماہ بلکہ ایک ہفتہ کا خرچہ بھی پورا نہیں کر سکتا، بلکہ بعض ممالک جن میں پٹرول پیدا ہوتا ہے وہاں تو متوسط گھرانے کے ایک دن کا خرچہ بھی نہیں ہوتا تو اتنی رقم کے مالک کو شرعاً کیسے غنی کہا جائے؟ یہ بات بہت بعید از عقل ہے (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۶)

اس پر کلام نمبر (۱) میں گذر چکا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت نے سال بھر کے خرچے کا لحاظ کر کے حولانِ حول کے وقت موجود مالِ نامی پر زکوٰۃ فرض کی ہے، لہٰذا جب خود شارع علیہ السلام سے اس کا لحاظ ثابت ہے اور مالِ تجارت اور کرنسی کی مالیت کے لئے نصابِ فضہ کو معیار قرار دینے کی صورت میں بھی ملحوظ ہے، تو پھر شبہ کیسا؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پھر زکوٰۃ صرف صاحبِ نصاب پر واجب نہیں ہوتی، بلکہ سال بھر کے اخراجات اور حوائجِ اصلیہ کے بعد جس شخص کے پاس بقدرِ نصاب مال بچ رہتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اب ایک شخص تو سال بھر سے نان جویں کا محتاج ہے، اور دوسرا شخص ایسا ہے کہ سال بھر کے خرچ کے بعد بھی ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت اس کے پاس بچ رہتی ہے، تو کیا اسلامی عدل وانصاف کا تقاضا یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اسے یہ حکم

دیا جائے کہ اس فاضل مال کا چالیسواں حصہ وہ فقراء و مساکین پر خرچ کر ڈالے‘‘ (اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر اور نظامِ مالیات پر شبہات کا جواب ص۸۶، مکتبہ لدھیانوی، اشاعتِ اول فروری 2003ء)

لیکن اگر مذکورہ بات کو تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، تو اس پر مذکورہ حضرات بھی زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل ہیں، حالانکہ ساڑھے باون تولہ چاندی بھی سال بھر کی ضروریات کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو حیثیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت رکھتی ہے، سال بھر کی ضروریات کے اعتبار سے نفسِ ساڑھے باون تولہ چاندی اور اس کی مالیت میں کوئی بھی فرق نہیں۔

مذکورہ دلائل نصابِ فضہ کو نصابِ ذہب کے ماتحت بنانے کے متقاضی ہیں

﴿۱۳﴾...... صفحہ نمبر ۶۷ پر مولانا موصوف نے یہ عنوان قائم فرمایا ہے کہ:

’’ذاتِ چاندی کا نصاب ہر دور میں برقرار رہے گا‘‘

اور پھر اس کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ:

’’لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ چاندی بذاتِ خود نصاب نہیں رہی اور اس کے نصاب کو بھی تبدیل کر کے سونے کا نصاب قرار دیا جائے، اس لئے یہ اشکال بے جا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس چاندی کا نصاب (ساڑھے) ۵۲ تولہ چاندی ہو تو اس پر چاندی کی زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر کرنسی وغیرہ تو پھر چاندی کو قیمت کے اعتبار سے کرنسی کے لئے معیار نہ بنایا جائے کہ اس کرنسی میں زکوٰۃ واجب ہو، بلکہ سونے کی قیمت کے مطابق کرنسی کا نصاب پورا کیا جائے‘‘ (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۷)

حالانکہ مولانا موصوف کی پیش کردہ مذکورہ تینوں دلیلیں خود ذاتِ چاندی کے نصاب کے خلاف بھی اسی طرح صادق آتی ہیں جس طرح چاندی کی مالیت کے (کرنسی اور مالِ تجارت میں) اعتبار

کرنے پر صادق آتی ہیں، اور مذکورہ تینوں دلیلوں کا تقاضا یہ ہے کہ ذاتِ چاندی کا نصاب بھی درست نہ ہو۔

چنانچہ مولانا موصوف کی طرف سے پیش کردہ اس پہلی دلیل کی رُو سے کہ:

''چاندی کی قیمتِ خرید حضور ﷺ کے زمانے کے بعد زمانے کے اختلاف سے دیگر اشیاء کی طرح مختلف ہوتی رہی اور سونے کی قیمت ہر دور اور ہر وقت میں برابر رہی'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی ص ۶۱)

تو اس کا تقاضا یہ ہوا کہ دوسو درہم کے بجائے اتنے دراہم کو نصاب قرار دیا جائے جو بیس مثقال سونے کی مالیت کے مساوی ہو۔

اور مولانا موصوف کی طرف سے پیش کردہ اس دوسری دلیل کی رو سے کہ:

''جب اموالِ زکوٰۃ کا دیگر نصابوں سے موازنہ کرنے میں مساوات اور تقارب ملحوظ ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی ص ۶۴)

تو اس کا تقاضا بھی وہی ہوا، جو پہلی دلیل کا تقاضا تھا، کیونکہ تقارب اور مساوات کا اس سے بہتر اور کیا حل ہوسکتا ہے۔

اور مولانا موصوف کی طرف سے پیش کردہ اس تیسری دلیل کی رو سے کہ:

''چاندی کا نصاب سال بھر کے اخراجات کی کفایت کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا، اور آج کل اتنی مالیت سال بھر کے اخراجات کی کفایت نہیں کرتی، البتہ سونے کے نصاب کی مالیت کرتی ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی ص ۶۶، بتغیر الالفاظ)

تو اس کا تقاضا بھی وہی ہوا جو پہلا اور دوسری دلیل کا تقاضا تھا، کیونکہ اسی صورت میں اس غرض کو حاصل کرنا ممکن ہے۔

کیا نصابِ فضہ کی مالیت پر زکوٰۃ واجب کرنا فقیر پر زکوٰۃ کا واجب کرنا ہے؟

﴿۱۴﴾...... صفحہ نمبر ۶۷ پر مولانا موصوف نے سونے کے نصاب کو معیارِ نصاب بنانے کی چوتھی دلیل یہ پیش فرمائی ہے کہ:

"سونے کے نصاب کو معیارِ نصاب بنانے کے لئے چوتھی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ مالدار لوگوں پر فرض کی ہے، غرباء پر نہیں (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۷)

اب اگر موجودہ حالات کے پیشِ نظر چاندی کو معیار قرار دیا جائے تو زکوٰۃ بجائے مالدار کے فقراء کے کندھوں پر آ جائے گی" (ایضاً صفحہ نمبر ۶۸)

مگر یہاں بھی گھوم پھر کر وہی شبہ پیش آ جاتا ہے کہ یہ بات تو مولانا موصوف کو بھی مسلم ہے کہ بذاتِ خود ساڑھے باون تولہ چاندی کے مالک پر زکوٰۃ لازم ہے، جبکہ اس کی حیثیت بھی اتنی ہے جتنی کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کرنسی یا مالِ تجارت کی شکل میں ہے، تو اگر کرنسی و مالِ تجارت کا مالک فقیر ہے تو اتنی ہی مالیت چاندی کا مالک غنی کیسے قرار پائے گا؟ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو بھی غنی کے بجائے فقیر قرار دیا جائے۔

اس سلسلہ میں اصل بات یہ سمجھ آتی ہے کہ معاشرہ کے امیر وغریب ہونے کا مفہوم کچھ بھی ہو زکوٰۃ کے وجوب وعدمِ وجوب کا تعلق عرف سے نہیں بلکہ نص سے ثابت ہے، نص کی رو سے جو غنی ہے اور جس پر زکوٰۃ واجب ہے اس کو معاشرہ میں خواہ غریب ہی کیوں نہ سمجھا جائے زکوٰۃ کا وجوب اس سے ساقط نہ ہوگا۔

اور اگر وجوبِ زکوٰۃ کا مدار عرفی فقر وغنا پر رکھا جائے تو پھر نہ عرف ہر جگہ کا یکساں ہے اور نہ ہر زمانہ کا یکساں ہے، اور نہ ہی ایک زمانے میں مختلف علاقوں کے لحاظ سے لوگوں کے طرزِ زندگی اور بود وباش کا طرز یکساں ہے، ایسے حالات میں عرف پر مدار رکھنے کی صورت میں نص پر عمل کیسے ممکن ہو سکے گا؟

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"رہا وہ اشکال جس کا ذکر سوالنامے میں کیا گیا ہے کہ:

کیا ایسے صاحبِ اہل وعیال کو غیر مستحقِ زکوٰۃ قرار دینا اور اس سے زکوٰۃ وصول کرنا مناسب ہوگا، جس کے کل اثاثے دو ہزار روپے سے کچھ ہی زائد ہوں؟

تو شاید سوال مرتب کرتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں رہی کہ شریعت میں اور شریعت کے مطابق موجودہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس میں ہر قسم کا مال غیر نامی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، یعنی ہر قسم کی غیر منقولہ جائیدادیں، سواری کی گاڑی، فرنیچر، برتن، کپڑے، گھر کے

تمام ساز وسامان یہ سب اشیاء خواہ کتنی ہی بیش قیمت ہوں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ زکوٰۃ صرف مالِ نامی پر رکھی گئی ہے وہ بھی آمدنی پر نہیں بلکہ سال بھر کے تمام (ضروری یا غیر ضروری) مصارف کے بعد جو مالِ نامی بچ جائے اور بقدرِ نصاب ہوتو زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے اور وہ بھی صرف ڈھائی فیصد، یعنی دو ہزار میں صرف پچاس روپے، سال بھر میں ایک بار۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص پر زکوٰۃ کا واجب ہونا عین حکمت ہے اس لئے کہ اس نے اپنی اور اہل وعیال کی سال بھر کی تمام ضرورتوں سے عہدہ برآ ہو کر یہ رقم پس انداز کی ہے، کیا اس میں سے صرف ڈھائی فیصد اپنے مفلوک الحال بھائیوں کو دینا ''غیر حقیقت پسندانہ'' کہا جائے گا؟ اگر ایسے لوگوں سے بھی زکوٰۃ نہ لی جائے بلکہ خود ان کو دی جانے لگے تو معاشرے کے ان مفلوک الحال مسلمانوں کا کیا ہوگا جو گھر، لباس، دوا اور ضروری تعلیم تک کو ترستے ہیں؟ موجودہ مہنگائی کے دور میں صرف ایک ہزار روپے مشاہرہ پانے والا تنگدست جس کی تنخواہ میں پس انداز کرنے کی گنجائش تو کُجا؟ بنیادی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں، اگر اس سے ایک سو بیس روپے انکم ٹیکس وصول کرنا غیر حقیقت پسندانہ نہیں تو صاحبِ نصاب جس نے سال بھر کی ضروریات سے فارغ ہو کر یہ نصاب جمع کیا ہے اس سے صرف پچاس روپے زکوٰہ میں وصول کرنا کیسے ''غیر حقیقت پسندانہ'' ہوسکتا ہے'' (نوادر الفقہ ج ا صفحہ نمبر ۳۵۴ و ۳۵۵، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی 2003ء)

زکوٰۃ کی ادائیگی ناقابلِ عمل اور ضروری وغیر ضروری اخراجات قابلِ عمل

﴿۱۵﴾......صفحہ نمبر ۶۸ وصفحہ نمبر ۶۹ پر مولانا موصوف نے ماہنامہ میثاق کے حوالہ سے جناب محمد سلیمان تنولی صاحب کی گفتگو اس تحسین کے ساتھ نقل فرمائی ہے کہ:

''معاشرے میں ۵۰۰۰، ۶۰۰۰ روپوں کے مالک کو مال دار نہیں کہا جاتا، اس نکتے کو جناب محمد سلیمان تنولی صاحب نے بہت ہی صاف اور عام فہم انداز میں سمجھانے کی سعی

کی ہے، لکھتے ہیں'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۸)

مولانا موصوف نے جناب محمد سلیمان تنولی صاحب کی جو ایک لمبی تحریر نقل کی ہے، اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

''ایک پہلو یہ بھی ہے بعض نیم سرکاری ادارے اور بینک اپنے کلیریکل (کلرک) اور اس سے نیچے درجہ کے ملازمین کو اپنی یا بچوں کی شادی کے لئے پندرہ تا پچیس ہزار روپے گرانٹ دیتے ہیں، بعض صورتوں میں پاکستانی بیت المال سے پچاس ہزار روپے تک گرانٹ دی جاتی ہے، چھ ہزار روپے ایک متوسط خاندان کا بمشکل ایک ماہ کا خرچ ہے، اس دور میں جبکہ ایک عام خاندان کا بجلی اور گیس کا بل ہی دو ہزار روپے سے بڑھ جاتا ہے، چھ ہزار روپے کی رقم کی کوئی حیثیت نہیں، پھر خدانخواستہ اگر بے روزگاری یا بیماری جیسی ناگہانی صورتِ حال سے واسطہ پڑ جائے تو یہ چھ ہزار روپے کی پونجی چند دن بھی پورے نہ کرے گی، مرورِ زمانہ کے ساتھ معیارِ زندگی بدلنے سے بھی معیارِ غربت بدلتا ہے، آج سے سو سال قبل ایک امیر کو بھی وہ سہولتیں میسر نہ تھیں جو آج غربت کے قریب شخص کو حاصل ہیں، گڈ گورننس کی قدریں بدلنے سے آج ایک درمیانے اور غریب طبقے کو وہ سہولتیں مفت میسر ہیں جو آج سے پچاس سال پہلے نہ تھیں، آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے میٹرک تک تعلیم اچھے معیار کے ساتھ غریب اور متوسط طبقوں کے لئے تقریباً مفت تھی، آج غریب آدمی اپنے بچوں کے لئے مفت یا سستی معیارِ تعلیم کے خیال سے ہی گھبراتا ہے، اس طرح اب ہسپتالوں سے مفت علاج کا تصور ختم ہوگیا ہے، سرکاری نلوں سے پانی اب مفت نہیں ملتا، اس لئے اخراجات بھی بڑھ گئے ہیں، پانچ افراد کے کنبہ کو اگر رہائش، بچوں کی تعلیم و علاج وغیرہ کی سہولت بلا معاوضہ نہیں تو چھ ہزار روپے ماہوار آمدنی کے ساتھ بھی وہ غریب ہے، اگر وہ پیٹ کاٹ کر چھ ہزار روپے پس انداز کرے تو وہ امیر نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ خود دوسروں سے امداد کا طلب گار ہو سکتا ہے، اس ساری بات کا حاصل یہ ہے کہ موجودہ دور کے چھ

ہزار روپے کے لگ بھگ پس انداز کرنے والا امیر نہیں کہ اس کو زکوٰۃ دینے کا پابند کیا جائے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۶۸ و ۶۹)

اس مادیت پرستی کے مفہوم پر مشتمل گفتگو کے متعلق ہم عرض کریں گے کہ ایک مرتبہ دوبارہ مذکورہ نمبر۱۴ کو تفصیل سے ملاحظہ کر کے تشفی کا سامان کیا جائے اور غور کیا جائے کہ زکوٰۃ جو ایک دینی وشرعی حکم ہے، اور خود غریبوں کی امداد کے لئے رکھی گئی ہے، اس کی طرف پیٹ کاٹ کر زکوٰۃ کی ادائیگی کا الزام اپنے اندر کتنے مسموم مادی عزائم لئے ہوئے ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ جو شخص پندرہ تا پچیس ہزار روپیہ شادی پر خرچ کر سکتا ہے، بجلی، گیس کا بل ہر ماہ دو ہزار روپیہ ادا کرتا ہے، دینی مدارس کی مفت تعلیم چھوڑ کر میٹرک تک کی دنیوی تعلیم میں ادنیٰ درجہ کا خرچ برداشت کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ، تمام مذکورہ ضروری وغیر ضروری اخراجات کرنے کے بعد سال بعد حولانِ حول کے وقت بچ رہنے والی نصاب کے برابر رقم پر ایسا شخص صرف ڈھائی فیصد اسلام کے اہم فریضے زکوٰۃ کی عبادت میں بھی خرچ کر کے بجلی، گیس میٹرک تک کی تعلیم کے عارضی وفانی فوائد کے مقابلہ میں دنیا میں آنے کے اہم دائمی واصلی فوائد رضائے الٰہی وجنت کے حصول کے مساوی کرے تو بھلا اسے پیٹ کاٹنے والا قرار دیا جائے گا؟ مادیت کے زہر سے آلودہ اقتباس کی ایک عالمِ دین کی طرف سے تحسین کرنا قابلِ تعجب ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ شریعت نے مستحقین کی امداد کا معاملہ صرف زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ تک محدود نہیں رکھا، بلکہ صدقاتِ نافلہ، عطیات وہبات کے بھی مستقل ابواب قائم فرمائے ہیں، اور ان کے عظیم فضائل بیان فرمائے ہیں، اور اس سے ایسے ضرورت مند لوگوں کے تعاون کا راستہ کھلا رکھا ہے جو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے مستحق نہیں ہیں۔

کیا چاندی کے نصاب کو زکوٰۃ کا معیار بنانے میں عسر ہے؟

﴿۱۶﴾...... صفحہ نمبر ۷۰ پر ''چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں عسر ہے'' کا عنوان قائم فرما کر مولانا موصوف نے چار مثالیں بیان فرمائی ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اب جب ہم موجودہ دور میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے چاندی کے نصاب پر نظر ڈالتے ہیں تو کرنسی اور دیگر اموالِ تجارت کے لیے چاندی کو نصاب کے لیے بنیاد بنانے میں ایک قسم کی سختی معلوم ہوتی ہے۔

(۱) اس لیے کہ اس مہنگائی کے دور میں ایک متوسط طبقے کے آدمی کا ماہانہ خرچہ چھ ہزار روپے سے زیادہ ہے اور اس کی ماہانہ تنخواہ بھی چھ ہزار روپے کے لگ بھگ ہے، تو اگر چاندی کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے تو عیدالاضحیٰ کے آتے ہی اس پر قربانی واجب ہو جائے گی، جب کہ آج کل گائے یا بھینس میں ایک حصہ کی قیمت بھی تقریباً تین ہزار روپے کے لگ بھگ ہے، لہٰذا اگر یہ شخص قربانی کرے گا تو ماہانہ خرچے میں کمی آ جائے گی جو ایک گونہ سختی ہے بلکہ وہ ماہانہ خرچہ پورا کرنے کے لیے قرض لینے کا بھی محتاج ہو جائے گا اور کبھی کبھار خرچہ پورا کرنے کے لیے حرام خوری، رشوت وغیرہ کا اندیشہ بھی موجود ہے۔

(۲) اسی طرح ایک شخص کے پاس نقدی تو نصاب سے کم ہے مگر گھر میں بعض ایسی اشیاء موجود ہیں جو حوائجِ اصلیۃ سے زائد ہیں کہ اگر ان اشیاء کی قیمت نقد رقم کے ساتھ ملائی جائے تو نصاب مکمل ہو جائے گا تو اب اس شخص پر قربانی واجب ہوگی۔ اب اگر وہ شخص قربانی کرے گا تو نقدی چلی جائے گی اور وہ مقروض ہو جائے گا۔

(۳) اسی طرح آج کل تقریباً ہر گھر میں ایک تولہ سونے کے زیورات ضرور ہوتے ہیں اور سو دوسو روپے نقدی بھی گھر میں ہوتی ہے، جب سونے کی قیمت لگا کر روپے بنائے جائیں تو چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے گا جس کی وجہ سے اس آدمی پر قربانی بھی واجب ہوگی اور اگر قربانی کے ایام نہ ہوں تو کم از کم سال بعد اسے زکوٰۃ دینا ہوگی۔ جبکہ اس آدمی کی حالت یہ ہے کہ وہ صاحبِ اہل وعیال ہے اور خود زکوٰۃ کا مستحق ہے تو اس پر زکوٰۃ لازم کرنا یسر (آسانی) نہیں بلکہ عسر (تنگی) ہے۔

(۴) اگر ایک فقیر شخص کے گھر میں ایک دو بکریاں یا ایک گائے ایسی موجود ہو جو

اس کی ضرورت سے زائد ہو تو اب اگر اس کی قیمت لگائی جائے تو قربانی لازم ہو جائے گی جو عسر (سختی) ہے، لہٰذا آسانی اسی میں ہے کہ موجودہ کرنسی یا اموالِ تجارت کی زکوٰۃ کے لیے سونے کے نصاب کو بنیاد بنایا جائے۔ کیونکہ اسی میں ان جملہ اشخاص کے لیے آسانی ہے (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۰ وصفحہ نمبر ۷۱)

مولانا موصوف نے مذکورہ ان چاروں مثالوں میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں عسر ہونے کی دلیل قربانی کے وجوب میں پیش فرمائی ہے، حالانکہ بنیادی موضوعِ بحث مسئلہ زکوٰۃ کے وجوب کے اعتبار سے ہے جیسا کہ کتاب کے نام اور خود اس خاص مضمون کی تمہید سے واضح ہے۔

البتہ تیسری مثال میں زکوٰۃ کے وجوب کے اعتبار سے بھی عسر کا تذکرہ فرمایا ہے، مگر اس مثال میں بھی ایک تولہ زیور اور سو دو سو روپے نقدی کی صورت کو اختیار فرمایا ہے، حالانکہ زیور کا ہونا خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ ''فاضل عن الحاجۃ الاصلیۃ'' کی دلیل ہے، کیونکہ زیور ضرورت وحاجتِ اصطلاحی میں مشغول نہیں ہوتا (الا ان یکون دینا) بلکہ یہ تجمل وزینت میں داخل ہے، اور تجمل وزینت کا درجہ ضرورت وحاجتِ اصطلاحی کے بعد ہے، لہٰذا ایسے شخص کو چاہئے کہ ضرورت پڑنے پر زیور (زینت وتجمل کی چیز) کو حاجت وضرورت میں استعمال کرے، مگر جبکہ بگڑے ہوئے معاشرہ میں زیور کو ضروری سمجھ لیا گیا ہو اور زینت وتجمل کے بجائے اس کو ضرورت وحاجت کا درجہ دے دیا گیا ہو، تو اس میں شریعت کا کیا قصور ہے؟ لہٰذا اس مثال سے وجوبِ زکوٰۃ میں عسر کا قول کرنا فقہی مزاج سے ناواقفیت سے تعبیر کیا جانا بعید نہیں کہا جا سکتا۔

زکوٰۃ واضحیہ اور ان کے نصابوں میں فرق

کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کے مسئلہ میں بار بار قربانی کے وجوب میں عسر وتنگی اور حرج وغیرہ کو بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ زکوٰۃ وقربانی اور ان کے نصابوں میں فروق کا جائزہ لیا جائے۔

قربانی اور زکاۃ میں مندرجہ ذیل اعتبار سے فرق ہے:

(۱)...... زکوٰۃ سے مقصود غریبوں کی حاجت پوری کرنا ہے، جبکہ اضحیۃ سے اصل مقصود اراقتِ دم ہے:

والفرق ان المقصود من الزکاۃ سدالخلۃ و دفع الحاجۃ بدلیل انھا وجبت لاجل الحاجۃ ......ولیس کذالک الاضحیۃ ،لان المقصود منھا اراقۃ الدم (الفروق، کتاب الزکاۃ،لاسعد بن محمد بن حسین)

مطلب یہ کہ زکوٰۃ میں مقصود تعاونِ مساکین علیٰ طریقۃٍ مخصوصۃٍ ہے، جبکہ قربانی میں اصل مقصود "اراقتِ دم" ہے، جو ذبح سے حاصل وادا ہو جاتا ہے، اور قربانی کے گوشت کا استعمال ایک امرِ اضافی ہے۔

(۲)......زکوٰۃ فرض اور اجماعی حکم ہے، جبکہ قربانی واجب ہے بلکہ فقہائے اربعہ کے مابین اس کا وجوب بھی مختلف فیہ ہے یہاں تک کہ فقہ حنفی میں بھی اس کے وجوب میں اختلاف ہے، چنانچہ بعض فقہاء اس کی سنیت کے قائل ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۴ص۲۷۰۳)

اور اسی وجہ سے زکاۃ کی ادائیگی میں احتیاط کا درجہ زیادہ ہے بمقابلہ قربانی کی ادائیگی کے۔

(۳)......زکوٰۃ کا نصاب متعین طور پر منصوص ہے، جبکہ قربانی کا نصاب متعین طور پر منصوص نہیں، اسی وجہ سے نصابِ قربانی بھی فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے۔

(۴)......زکوٰۃ کا مقصود کیونکہ اغناء للفقراء ہے، اس لیے اس میں سونے وچاندی کے اعتبار سے انفع للفقراء ہونے کا پہلو ملحوظ ہے، جبکہ نصابِ قربانی میں اس پہلو کا اصل مقصود میں دخل نہیں، بلکہ اس کا اصل مقصود اراقتِ دم ہے، جیسا کہ نمبر ا میں گزرا (شاید یہی وجہ ہو کہ نصابِ قربانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عموماً فقہائے کرام انفع للفقراء ہونے کی بحث سے تعرض نہیں فرماتے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ تفاوت زیادہ نہ ہونے کی

وجہ سے اس کی ضرورت نہ سمجھی ہو۔

برخلاف زکاۃ کے نصاب کے کہ وہاں وضاحت وصراحت کے ساتھ اس نکتہ پر روشنی ڈالتے ہیں)

(۵)......زکوٰۃ میں مال کی ادائیگی کی مقدار مقرر ہے اور وہ چالیسواں حصہ ہے اور یہ نصاب کسی بھی زمان ومکان میں کمی وزیادتی کا محتمل نہیں اور اس تناسب کی ادائیگی میں کوئی تنگی نہیں، چنانچہ ڈھائی فیصد ادا کرنے سے بقیہ مال کا تناسب متأثر نہیں ہوتا۔

جبکہ قربانی کی مد میں خرچ ہونے والے مال کا تناسب طے نہیں، اور وہ زمان ومکان کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے اور مختلف حالات وشخصیات کے اعتبار سے وسعت وضیق دونوں کا محتمل ہے۔

(۶)......زکوٰۃ صرف مالِ نامی پر فرض ہے۔

جبکہ قربانی کے وجوب کے لئے مالِ نامی ہونا شرط نہیں بلکہ غیر نامی اور فارغ عن الحاجۃ الاصلیۃ پر بھی قربانی واجب ہے، جس میں ایک گونہ زکوٰۃ کے مقابلہ میں تنگی ملحوظ ہے۔

(۷)...... زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے نصاب پر حولانِ حول (سال گزرنا) شرط ہے، جس میں مالک کا مال سے زیادہ استفادہ کرنا پایا جاتا ہے، جبکہ قربانی واجب ہونے کے نصاب پر حولانِ حول شرط نہیں اور اس میں نصابِ زکوٰۃ کے مقابلے میں اس درجے کا استفادہ نہیں پایا جاتا۔

لہٰذا زکوٰۃ وقربانی اور اس کے نصاب میں مذکورہ امتیازات وفروق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تنگی وعُسر کے وقت صرف قربانی کی حد تک یُسر تلاش کرنے پر غور کرنا چاہئے۔

نہ یہ کہ عسر کا دعویٰ تو قربانی میں پیش کیا جائے اور یُسر کا معاملہ بڑھتے بڑھتے زکوٰۃ تک متعدی کر دیا جائے، جو کہ قربانی سے بڑھ کر اسلام کے اعلیٰ فرائض میں سے ہے۔

رہا مولانا موصوف کا تیسری مثال میں یہ فرمانا کہ ''یہ شخص ازخود زکوٰۃ کا مستحق ہے'' یہ خود بلادلیل ایک دعویٰ ہے، کیونکہ شریعت جس پر زکوٰۃ واجب کرتی ہے اسے زکوٰۃ کا مستحق کیسے قرار دیا

جاسکتا ہے؟

کیا چاندی کوزکوٰۃ کا معیارِ نصاب بنانے میں ضرر ہے؟

﴿۱۷﴾......صفحہ نمبر ۷۱ پر مولانا موصوف نے سونے کو معیارِ نصاب بنانے کے لئے پانچویں دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ:

''سونے کو معیارِ نصاب بنانے کے لیے پانچویں دلیل یہ ہے کہ شرعی ذمہ داریوں اور دیگر اُمور میں جب کسی پر کوئی تکلیف آتی ہے اور وہ اَمراس کے لیے تکلیف اور ضرَر کا باعث بنتا ہے، تو اس کا ازالہ کیا جاتا ہے، فقہائے کرام نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ ''الضرر یزال'' (الاشباہ والنظائر جلد ا صفحہ ۲۵۰)

کہ جب کسی پر ضرَر آجائے تو اس کو زائل کیا جائے گا، پھر خاص کر جب وہ ضرَر عام ہو جائے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے جس کو امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں، حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی و بیہقی نے اپنے سنن میں روایت کی ہے کہ:

لاضرر ولا ضرار فی الاسلام (الحدیث)

اسلام میں ضرَر یا دوسرے کو ضرَر دینا نہیں۔

ابواب الفقہ میں بہت سارے ایسے مسائل موجود ہیں کہ ابتداءً اس کا حکم کچھ تھا، لیکن پھر ضرَر کی وجہ سے اس حکم سے رجوع کرلیا گیا، اور اس کو تکلیف دہ ہونے کے ناطے تبدیل کیا گیا۔

مثلاً علامہ حموی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

فی اللالی التداوی بلبن الاتان اذا اشار الیه لا بأس به (شرح حموی علی الاشباہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، القاعدۃ الخامسة)

اللالی میں لکھا ہے کہ اگر گدھی کے دودھ میں تداوی کا مشورہ دیا جائے تو اس کے

استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

۲۔ اور خود علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یبتنی علیٰ ھٰذہ القاعدۃ کثیر من ابواب الفقہ فمن ذٰلک الرد بالعیب وجمیع انواع الخیارات والحجر بسائر انواعہ علیٰ المفتیٰ بہ والشفعۃ فانھا للشریک لدفع ضرر القسمۃ وللجار لدفع ضرر الجار السوء اذا بجیرانھا تغلو الدیار وترخص والقصاص والحدود والکفارات وضمان المتلفات** (الاشباہ والنظائر جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ القاعدۃ الخامسۃ)

اس قاعدہ پر بہت سارے فقہی ابواب مبنی ہیں اس میں عیب کی وجہ سے مبیعہ کو واپس کرنا، تمام خیارات، حجر کے تمام انواع، مفتیٰ بہ اقوال کے اعتبار سے حق شفعہ شریک فی نفس المبیع کو تقسیم میں موجودہ ضرر سے بچنے کے لیے حق شفعہ دیا گیا ہے، اور پڑوسی کو خراب پڑوسی کے ضَرَر سے بچنے کی وجہ سے مشروع ہے، اسی طرح قصاص، حدود، کفارات اور تلف شدہ اشیاء کا ضمان وغیرہ کے مسائل بھی اس قاعدہ پر مبنی ہیں۔

تو جب اتنے سارے مسائل کی بنیاد اسی قاعدہ پر ہے، اور اسی وجہ سے وہ مشروع یا ممنوع ہے تو غور وفکر کرنے کے بعد موجودہ دور میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں بھی ضرر معلوم ہوتا ہے، تو یہ قاعدہ اس کو زائل کرنے کا متقاضی ہے اور جس نصاب میں یسر یعنی آسانی ہے اس کو معیارِ نصاب بنانے کا تقاضہ کرتی ہے۔

یہ جملہ نظائر کا ابتداءً ایک الگ حکم تھا، پھر جب اس میں ضَرَر پیدا ہوا تو ضَرَر کی بناء پر اس کا حکم تبدیل ہو کر دوسرا قرار دیا گیا، یہی مثال آج کل چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں یہ جو ضَرَر رَساں ہے، اس لیے ازالہ ضَرَر کے اس فقہی قاعدہ کو استعمال کر کے اس مسئلہ میں غور وفکر وقت کا تقاضا ہے (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۱ وصفحہ نمبر ۷۲)

حالانکہ یہ بھی خود ایک دعویٰ بلا دلیل ہے، زکوٰۃ واجب کرنے میں کوئی ضرر نہیں جس کی وضاحت

پہلے گزری اور اگر قربانی واجب کرنے میں کسی کے حق میں ضرر محسوس ہو تو اس حد تک گنجائش کے بارے میں پہلے ہی ذکر کیا جاچکا ہے۔

اور اگر بالفرض ساڑھے باون تولہ چاندی کی کرنسی اور مالِ تجارت کی شکل میں مالیت کے اندر وجوبِ زکوٰۃ میں ضرر ہے تو یہ ضرر بذاتِ خود ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت میں بھی موجود ہے

مفاسد کے مصالح پر مقدم ہونے کی دلیل

﴿۱۸﴾...... صفحہ نمبر ۷۲ و ۷۳ پر مولانا موصوف نے سونے کے نصاب کو معیار بنانے کے لئے چھٹی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ:

''اس طرح سونے کے نصاب کو معیار بنانے کے لیے چھٹی دلیل یہ ہے کہ جہاں مفاسد اور مصالح جمع ہو جائیں تو اسلام نے دفعِ مفسدہ یعنی فساد کے ختم کرنے کو مقدم کیا ہے تا کہ لوگ فتنے اور فساد میں مبتلا نہ ہوں، ہمارے فقہائے کرام نے اس کے لیے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ: **درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح، یعنی اذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدّم دفع المفسدة غالباً** (الاشباہ والنظائر جلد ا صفحہ ۲۶۴)

مفاسد کو ختم کرنا مصالح کے پیچھے پڑنے سے اولیٰ ہے، یعنی جب کسی جگہ فساد اور مصلحت کا تعارض آجائے تو دفعِ فساد کو مقدم کیا جائے گا۔

بناء بریں اگر ظاہری اعتبار سے چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں فقراء کا فائدہ ہے اور فقہائے کرام کا قول انفع للفقراء بھی مصلحتاً اس کا تقاضہ کرتی ہے مگر دوسری طرف اسی معیارِ نصاب بنانے میں مفاسد بھی بہت سارے ہیں جو آگے ذکر کیے جائیں گے، اس لیے مفاسد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چاندی کی بجائے سونے کو معیارِ نصاب بنانا زیادہ اولیٰ ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۲، ۷۳)

حالانکہ یہی اصول سونے کے بجائے خود چاندی کو کرنسی اور مالِ تجارت کا معیارِ نصاب بنانے

کا متقاضی نظر آتا ہے، اور وہ اس طرح کہ زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں ادا نہ کرنا باعثِ گناہ اور قابلِ مؤاخذہ ہے جو کہ بہت بڑا مفسدہ ہے، اور واجب نہ ہونے کی صورت میں ادا کرنا صدقہ ہے اور اس میں کوئی مفسدہ نہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے عبادت میں احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھنے کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی مقدار کے نہایت سہل اور کم ہونے کی وجہ سے ادائیگی میں کوئی دقت نہیں اور قربانی میں اگر کسی کو دقت ہو تو ''الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ'' والا اصول موجود ہے اس کے تحت حالات میں غور کر کے صرف قربانی کی حد تک گنجائش کو محدود رکھنا چاہیے۔

المشقة تجلب التيسير کی بحث

﴿١٩﴾......صفحہ نمبر ٧٣ پر مولانا موصوف سونے کو معیارِ نصاب بنانے کی ساتویں دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اسی طرح سونے کو معیارِ نصاب بنانے کی ساتویں دلیل یہ ہے کہ مسائل میں مشقت کا پیدا ہونا باعثِ تیسیر (آسانی) ہوتی ہے، **المشقة تجلب التيسير** (الاشباه والنظائر ١/ ٢٣٦) مشقت آسانی لاتی ہے۔

اس قاعدہ کی رُو سے بھی سونا نصاب کا معیار بننے کا متقاضی ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ٧٣)

مگر ہمارے خیال میں وجوبِ زکوٰۃ کی حد تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا مکلّف کرنے میں کوئی بھی مشقت نہیں، جس کی وضاحت بار بار پہلے کی جا چکی ہے۔

کیا نصابِ فضہ میں عُسر کی وجہ سے لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم ہیں؟

﴿٢٠﴾......مذکورہ دلیل کے ضمن میں صفحہ نمبر ٧٥ پر مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''آج کل چاندی کے نصاب کو معیار بنانے میں بھی عسر سامنے آچکا ہے۔

اس عسر (تنگی) کی وجہ سے بہت سارے لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم ہیں، چاندی کے معیارِ نصاب کے مطابق اکثر لوگ صاحبِ نصاب ہیں مگر ظاہر مفلسی کی وجہ سے

زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، بلکہ اُلٹا صاحبِ ثروت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ مسئلہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس میں بھی یسر پیدا کر کے سونے کو معیارِ نصاب بنایا جائے، تاکہ جو لوگ مہنگائی اور مفلسی کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہوں اور وہ چاندی کے نصاب کے مطابق مال دار ہیں، جرم وسزا سے بچ جائے اور ان کے لیے کچھ آسانی پیدا ہو'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۵)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے محروم ہونے اور صاحبِ ثروت لوگوں سے الٹا زکوٰۃ وصول کرنے کی وجہ صرف تنگی اور عسر کو قرار دینا محلِ نظر ہے، کیونکہ اس کی اور بھی وجوہات ہو سکتی ہیں جو تھوڑا بہت غور وفکر کرنے سے معلوم ہو سکتی یا سمجھ میں آ سکتی ہیں مثلاً:

(الف)......حبِ مال اور حرص وطمع: (جس کی وجہ سے سونے کے نصاب سے صاحبِ نصاب بننے والے بھی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے) اور اس کی وجہ سے ہمیشہ اپنے آپ کو مفلس وفقیر سمجھتے ہیں۔

(ب)......اسراف وفضول خرچی بے جا رسوم اور بے جا تعیش: جس نے مالدار اور غنی ہونے کے باوجود بھی فقیر اور مفلس بنایا ہوا ہے، کہ یہ سب چیزیں جاری ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے اعتبار سے اپنے آپ کو مفلس سمجھتے ہیں۔

(ج)......دین کی اہمیت کا دل میں نہ ہونا: کہ زکوٰۃ کے مقابلہ میں دنیوی رسم ورواج میں خرچ کرنا اہم سمجھا جاتا ہے۔

(د)......دینی مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر زکوٰۃ کو اپنے اوپر واجب نہ سمجھنا بلکہ الٹا مستحق سمجھنا۔

(ہ)......دو سو درہم کی مالیت ہوتے ہوئے زکوٰۃ کا سوال کرنا: جو خود حرام ہے۔

رہا مولانا موصوف کا یہ فرمانا کہ چاندی کو معیارِ نصاب بنانا مجتہد فیہ مسئلہ ہے، تو اس میں شک نہیں کہ مالِ تجارت اور کرنسی میں ادنیٰ نصاب (جو کہ آجکل چاندی ہے) کو معیارِ نصاب بتانا مجتہد فیہ مسئلہ ہے، لیکن یہ اس درجہ کا مجتہد فیہ ہے کہ جمہور فقہائے کرام کا اتفاق ہے، اور اس پر عمل کرنے میں اس درجہ کی دشواری کا وجوبِ زکوٰۃ کی حد تک ہمارے علم ومشاہدہ میں ظہور نہیں ہوا کہ جمہور کے موقف کو

ترک کیا جائے، اور وہ بھی ایسے دلائل کی کوشش کر کے، جس سے دین وشریعت کے دوسرے اصولوں پر بھی زد پڑتی ہو، اور روحِ شریعت متاثر ہوتی ہو، نیز تجدد پسند اور اباحیت پرستوں کے شرعی احکام پر نکتہ چینی کی راہ ہموار اور ان کی تائید ہو، **کمالایخفیٰ علی العاقل۔**

اور جب اس کی ضرورت ظاہر ہوگی تو یقیناً جمہور جو ان اصولوں سے واقف ہیں ضرور گنجائش کا راستہ نکالیں گے۔

کویت کی کرنسی کے متعلق وزارتِ اوقاف کے ایک اعلان کی حیثیت

﴿۲۱﴾...... صفحہ نمبر ۷۵ پر مولانا موصوف نے آٹھویں دلیل میں کویت کی وزارتِ اوقاف کا ایک اعلان نقل فرمایا ہے کہ:

> ''انہی دلائل کے پیشِ نظر اور ضرورت کے تحت ہمارے برادر اسلامی ملک کویت نے مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا قرار دیا ہے، اور اس کو قانونی شکل دی ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۵)

اولاً تو یہ ایک عام ضابطہ کے طور پر تمام ممالک کی کرنسی اور اموالِ تجارت میں سونے کے معیارِ نصاب ہونے کی دلیل نہیں، اگر کویت کی کرنسی جس کو ''کویتی دینار'' کہا جاتا ہے، سونے کی نمائندگی کرتی ہے تو اس حد تک اس کو سونے کے نصاب کے ساتھ وابستہ کرنے میں شاید دیگر علمائے کرام کو اور جمہور فقہائے کرام کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو، لیکن دوسرے ملکوں کی کرنسیوں کے بارے میں بھی یہ اصول کارفرما کرنا درست نہیں، جن ممالک کی کرنسیاں سونے کی نمائندگی نہیں کرتیں ان کے بارے میں یہ موقف اس لئے درست نہ ہوگا کہ کویت کے وزارتِ اوقاف کا اعلان تو اپنے ملک کی کرنسی کے بارے میں ہے اور دوسرے ملکوں کی طرف سے اپنی کرنسی کے بارے میں یہ اعلان نہیں، دوسرے کویت کی یہ بات تو کرنسی کے متعلق ہوگی لیکن مالِ تجارت اور دیگر اشیاء کے بارے میں تو کویت کا یہ اعلان نہیں، لہٰذا مالِ تجارت تو اپنی حالت پر برقرار رہا۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''نصاب کی سطح بلند کرنے کی تیسری صورت یہ زیرِ غور لائی جاسکتی ہے کہ روپے کا نصاب چاندی کی بجائے سونے کی قیمت سے وابستہ کردیا جائے، اس کے لئے ہمیں یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہوگی کہ ہمارے روپے کے موجودہ نوٹ جس مالیت کے وثیقے ہیں یا یہ جس مالیت کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ مالیت سونا ہے یا چاندی یا کچھ اور، انگریزی دورِ حکومت میں جبکہ روپیہ چاندی کا ہوتا تھا تو یہ نوٹ اس چاندی کے وثیقے سمجھے جاتے تھے اسی لئے علمائے برصغیر نے نوٹوں کا نصابِ زکوٰۃ اتنی ہی رقم کو قرار دیا تھا جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت رکھتی ہو اگر ہمارے زمانے میں وہ صورت باقی نہیں رہی، یعنی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ ہمارے ان نوٹوں کی پشت پر سونے کی مالیت ہے، چاندی کی نہیں تو اس سے وہ اشکال حل ہوسکتا ہے جو سوالنامہ میں زیرِ بحث لایا گیا ہے کیونکہ اس طرح روپے کا نصاب دو ہزار کی بجائے سونے کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً بارہ تیرہ ہزار روپے ہوجائے گا، کیونکہ اس صورت میں جس کے پاس چاندی بالکل نہ ہو اس کے حق میں روپے کا نصاب اتنی رقم ہوگی جس سے سات تولہ سونا خریدا جاسکے، یہ رقم سونے کی موجودہ قیمت کے اعتبار سے تقریباً بارہ تیرہ ہزار روپے ہوتی ہے، البتہ جس کے پاس تھوڑی بہت چاندی بھی ہو اور روپے بھی تو اس کے حق میں نصاب وہی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رہے گا یعنی موجودہ نرخ کے اعتبار سے تقریباً ڈھائی ہزار روپے لیکن آج کل چاندی یا اس کے زیورات شاذ و نادر ہی کسی کے پاس ہوتے ہیں اس لئے بہرحال بھاری اکثریت کے حق میں وہ اشکال دور ہوجائے گا اور اگر تحقیق سے یہ ثابت ہوجائے کہ ان نوٹوں کی پشت پر سونا یا چاندی کچھ نہیں بلکہ کسی اور اصول پر ان کی مالیت کی بنیاد قائم ہے، تو وہ اصول معلوم ہونے پر مسئلہ کا ازسرِنو جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ہمارے موجودہ نوٹوں کی پشت پر کیا ہے؟ اس کا مستند، صحیح اور ذمہ دارانہ جواب وزارتِ خزانہ سے بہتر کوئی نہیں دے سکتا، لہٰذا مسئلہ کے اس پہلو پر تحقیق کے

لئے وزارتِ خزانہ سے ہماری درخواست ہے کہ براہِ کرم مندرجہ ذیل سوالات کا مفصل جواب عنایت فرما دیا جائے، اس سے فقہ کے دوسرے بہت سے مسائل کے حل میں بھی مدد ملے گی۔

(۱) ہمارے نوٹوں کی پشت پر سونے کی مالیت ہے یا چاندی کی یا دونوں کے مجموعے کی؟ یا ان کی مالیت کسی اور اصول پر قائم ہے؟

(۲) اگر کسی اور اصول پر قائم ہے تو براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائی جائے۔

(۳) ایک روپے کے نوٹ اور اس سے اوپر کے (پانچ، دس، پچاس، سو روپے کے) نوٹوں میں کیا فرق ہے کہ ایک روپے کے نوٹ پر صرف "ایک روپیہ" تحریر ہے اور اوپر کے نوٹوں پر یہ وعدہ لکھا ہوتا ہے کہ "بنک دولتِ پاکستان اتنے روپے حاملِ ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا" اور نیچے حکومتِ پاکستان کی ضمانت درج ہوتی ہے۔

(۴) کیا ایک روپے اور اس سے اوپر کے نوٹوں میں یہ فرق ہے کہ ایک روپے کے نوٹ کو تو بذاتِ خود ایک روپیہ قرار دیا گیا ہے اور اوپر کے نوٹوں کو ایک روپے کے نوٹوں کا وثیقہ؟

(۵) اگر وہ صورت ہے جو نمبر ۴ میں درج کی گئی تو گلٹ کا روپیہ جو اب بھی گاہے گاہے جاری ہوتا اور کہیں کہیں نظر آجاتا ہے تو اس میں اور ایک روپے کے نوٹ میں کیا فرق ہے؟

(۶) کیا گلٹ کے روپے اور ایک روپیہ کے نوٹ میں یہ فرق ہے کہ اصل روپیہ گلٹ کا ہے اور ایک روپیہ کا نوٹ گلٹ کے روپے کا وثیقہ؟

(۷) اگر وہ صورت ہے جو نمبر ۶ میں درج کی گئی تو پھر ایک روپے سے اوپر کے نوٹ کس روپے کے وثیقے ہیں؟ گلٹ کے روپے کے یا ایک ایک روپے کے نوٹ کے؟ یا دونوں کے؟

(۸) ان سوالات کا جو بھی جواب ہو وہی جواب اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ ہمارا

روپیہ امریکی ڈالر سے وابستہ تھا یا آئندہ کسی اور غیر ملکی کرنسی سے وابستہ ہو جائے یا اس صورت میں جواب مختلف ہوگا؟

(۹) اگر مختلف ہوگا تو وہ جواب کیا ہے؟

ان سب سوالات کے واضح جواب پر زکوٰۃ کے زیرِ بحث مسئلہ کے تحقیقی جواب موقوف ہے اور فقہ کے دیگر بہت سے مسائل میں بھی ان سے مدد ملنے کی توقع ہے اس لئے امید ہے کہ ہماری وزارتِ خزانہ ان کا جواب جلد عنایت فرمائے گی (نوادر الفقہ ج۱ صفحہ نمبر ۳۵۹ تا ۳۶۲، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، طبع جدید جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ جولائی 2003ء)

پس اس موقعہ پر ہم بھی یہی عرض کریں گے کہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات منقح ہونے پر ہی اس قضیہ کو حل کیا جا سکتا ہے۔

امید ہے کہ مولانا موصوف خود یا وزارتِ اوقاف کی مدد سے ان سوالوں کے جوابات سے آگاہ فرما کر ایک دیرینہ مسئلہ کے حل میں مدد فرمائیں گے۔

کیا نصابِ فضہ کی مالیت کا معیار مکلفینِ زکوٰۃ کے لئے ضرر رساں ہے؟

﴿۲۲﴾...... صفحہ نمبر ۷۶ پر مولانا موصوف نے سونے کو معیارِ نصاب بنانے کی نویں دلیل جو بیان فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے احکام کا مکلّف کرنے میں جانبین کی رعایت کا لحاظ فرمایا ہے، لہٰذا اس اصول کا تقاضا یہ ہوا کہ فقراء یعنی آخذینِ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ امراء و اغنیاء یعنی معطیین کی بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہئے اور چاندی کو معیارِ نصاب قرار دینا معطیین و آخذین دونوں کے لئے ضرر کا باعث ہے۔

اور مولانا موصوف نے صفحہ نمبر ۷۹ پر یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

''زکوٰۃ کے معاملہ میں جانبین کی رعایت کی جائے گی، صرف فقراء کو نہیں دیکھا جائے گا، بلکہ اربابِ اموال کے اضرار کو بھی مدِ نظر رکھنا ہوگا، اب جب ہم چاندی کے معیارِ نصاب بننے پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا معیار بنانا نہ صرف اربابِ

اموال کے لئے مضر ہے، بلکہ فقراء کے لئے بھی مفید نہیں، اصحابِ اموال کے لئے ضرررساں ہونا بدیہیات میں سے ہے‘‘ (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۷۹)

حالانکہ یہ خود ایک دعویٰ بلا دلیل ہے اور اب تک جو دلائل پیش کئے گئے ان کا مخدوش ہونا ذکر کیا جاچکا، ہمارے خیال میں تو اصل بات یہ ہے کہ:

’’چاندی کو زکوٰۃ کے باب میں کرنسی و اموالِ تجارت کے اندر معیارِ نصاب قرار دینے میں اصحابِ اموال کے لئے ضرررساں نہ ہونا بدیہیات میں سے ہے، جیسا کہ زکوٰۃ کی مقدار اور اس کے پورے نظام سے واضح ہے‘‘

پھر مولانا موصوف کا چاندی کو معیارِ نصاب قرار دے کر زکوٰۃ کے فلسفہ کے پورا نہ ہونے کا اس پر مدار رکھنا قابلِ تعجب ہے۔

کیا چاندی کے نصاب کی مالیت کا مالک غنی نہیں کہلاتا؟

﴿۲۳﴾......صفحہ نمبر ۸۰ پر مولانا موصوف نے سونے کو معیارِ نصاب بنانے پر جودسویں دلیل تحریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ مالدار و اغنیاء پر فرض کی ہے اور چاندی کے نصاب کی مالیت کا مالک اس دور میں غنی نہیں کہلایا جاسکتا، مولانا موصوف فرماتے ہیں:

’’اسلام نے زکوٰۃ مالدار پر فرض کی ہے کہ اغنیاء اپنے اموال کا بعض حصہ فقراء کو دیں تاکہ ان کی حاجت روائی ہوجائے، اسی وجہ سے شریعتِ مقدسہ نے نصاب متعین کیا کہ اتنی مقدار مال کا مالک صاحبِ نصاب غنی ہے، اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو وہ غنی نہیں، اور اس طرح اس کی ادائیگی کے لئے مختلف شرائط قائم کی گئی ہیں، نقد میں سے چاندی کا نصاب (ساڑھے) ۵۲ تولہ اور سونے کا نصاب (ساڑھے) ۷ تولے رکھا گیا، اس وقت ان دونوں دھاتوں کی قیمت اتنی مقدار میں برابر تھی یعنی بیس مثقال (۲۰۰) درہم کے مساوی تھے‘‘ (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۰)

اس دلیل کے مخدوش ہونے پر تبصرہ پیچھے گزر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً تو منصوص نصابِ زکوٰۃ کا مسئلہ امرِ تعبدی ہے، شریعت نے جس نصاب کو غناء کی دلیل قرار دے دیا وہ شریعت کی نظر میں غنی ہے، خواہ دنیا بھر کی عرف میں وہ غنی نہ ہو، اس نکتہ پر تمہید میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اگر دوسو درہم مالیت کا کرنسی اور مالِ تجارت کی شکل میں مالک غنی نہیں تو دوسو درہم (جس کی مالیت کی یہ مال اور کرنسی نمائندگی کر رہی ہے) کا مالک کیسے غنی قرار پا سکتا ہے؟ مالیت کے اعتبار سے غنی ہونے نہ ہونے میں تو دونوں جگہ کوئی فرق نہ ہونا چاہئے۔

دلیلِ مضرت نصابِ قربانی کی اور دعویٰ نصابِ زکوٰۃ کا

﴿۲۴﴾...... صفحہ نمبر ۸۰ پر مولانا موصوف نے ''چاندی کے نصاب کے مضرات'' کا عنوان قائم فرما کر اس کے ذیل میں پہلی مضرت یہ بیان فرمائی ہے کہ:

''اگر چاندی کے نصاب کو معیار بنایا جائے تو یہ نصاب صرف زکوٰۃ کے لئے نہیں ہوگا، بلکہ قربانی اور صدقۂ فطر وغیرہ کے لئے بھی ہوگا، اگرچہ اضحیۃ (قربانی) اور صدقۂ فطر زکوٰۃ سے دیگر شرائط میں مختلف ہیں الخ'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۰)

لیکن اس سلسلہ میں پہلے بھی عرض کیا جا چکا کہ قربانی کا نصاب بذاتِ خود غیر منصوص ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا وجوب بھی مختلف فیہ ہے اور انفع للفقراء ہونے کی وجہ بھی یہاں موجود نہیں، لہٰذا قربانی کے مسئلہ میں پہلے سے ہی دیگر فقہائے کرام کے اقوال ومسالک میں تخفیف موجود ہے، ضرورت کے وقت ان کے فتویٰ پر غور کیا جا سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے زکوٰۃ کے نصاب کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ''لان الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ''

تنگی اور ضرورت کے وقت قربانی کے بارے میں عدمِ وجوب کا فتویٰ دیگر قائلینِ عدمِ وجوبِ اضحیۃ کے فقہاء کے قول پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے، یا یُسر کے لئے نصابِ ذہب کو معیار بنا کر ضرورت کی حد تک فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جبکہ کسی کے حق میں عُسر کا تحقق بھی ہو رہا ہو، اور اس میں اختلاف رائے کا امکان ہے۔

صفحہ نمبر ۸۱ پر مثال نمبر ۲ میں بھی مضرت کی مثال قربانی سے پیش کی گئی ہے، مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''اسی طرح اگر کسی کے پاس ایک تولہ سونا ہو اور ۱۰، ۲۰ روپے نقدی ہو تو اس پر بھی قربانی واجب ہے، حالانکہ وہ مفلس آدمی ہوگا، اپنی اولاد کو دو وقت کی روٹی مہیا نہیں کر سکتا ہوگا تو اسے لازماً قربانی کے لئے سونا فروخت کرنا پڑے گا جو زمانہ کے لحاظ سے ضرر اور بسا اوقات سبب فتنہ وفساد ہے۔

غناء کی دو قسمیں ہیں: ا۔ وہ جس پر زکوٰۃ دینا لازم ہے۔ ۲۔ جس کو زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ لینا جائز نہ ہو۔

لہٰذا ایک تولہ سونا، ایک گائے یا دیگر حوائجِ اصلیہ سے زائد سامان والوں پر اگرچہ نقدی ۲۰، ۳۰ روپے ملا کر نصاب بنتا ہے، اگرچہ بعض شرائط نہ ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، لیکن ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا حرام ہے، حالانکہ وہ زکوٰۃ لینے کا زیادہ محتاج ہوگا اور موجودہ دور میں ایسے لوگ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں جن کے پاس چاندی کے نصاب کے مطابق سرمایا ہوتا ہے، تو بناء پر نصابِ چاندی زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جو ضررِ عظیم ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۱)

مگر اس میں زکوٰۃ کا مستحق نہ ہونے کو بھی مضرت میں شمار کر لیا گیا ہے اس سے بندہ کو اتفاق نہیں، اگر زکوٰۃ کا کوئی مستحق نہیں تو ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں مگر کوئی شخص مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اگر مسئلہ سے جہالت اور لا ابالی پن میں مستحق کو تلاش کئے بغیر ہر مانگنے والے کو زکوٰۃ دینا جائز قرار دیا جائے تو آجکل تو عام پیشہ ور سائلین نصابِ ذھب کے اعتبار سے بھی مستحق نہ ملیں گے، ہمارے ہاں عام پیشہ ور سائلین کے مانگنے اور ان کے زکوٰۃ وصدقات سے تعاون کی جو رسم چلی ہوئی ہے بجائے حجت ہونے کے وہ خود بھی قابلِ اصلاح ہے۔

صفحہ نمبر ۸۲ پر نمبر ۳ مثال پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''آج کل تقریباً ۹۸ فیصد گھروں میں چاندی کے نصاب کے برابر نصاب موجود ہے جو

حوائجِ اصلیہ سے زائد ہے، جس کی وجہ سے ان پر قربانی اور صدقۂ فطر دینا لازم ہے، لیکن وہ نقدی نہ ہونے کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے وہ گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۲)

اس میں بھی قربانی کو پیش کیا گیا ہے جس کا حل پہلے گذر چکا، رہا صدقۂ فطر کا مسئلہ تو اس کی مقدار اتنی کم ہے کہ اس کا ادا کرنا کوئی بھی مشکل نہیں۔

مثال نمبر ۴ میں ایک تولہ سونا اور دس بارہ روپے نقدی ہونے پر زکوٰۃ واجب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے گناہِ کبیرہ میں ملوث ہونے کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''اسی طرح اگر کسی گھر میں بیوی یا شوہر کے پاس ایک تولہ سونا ہو اور ساتھ دس بارہ روپے نقدی اور کوئی قرض وغیرہ نہ ہو تو چاندی کے نصاب کے مطابق سال کے بعد موجودہ حساب سے زکوٰۃ لازمی ہے، جبکہ ۸۰ فیصد لوگ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے گناہِ کبیرہ میں ملوث ہیں'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۲)

اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے باوجود اگر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو انسان گناہ گار ہے لیکن اسی فیصد لوگوں کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ ان کی تنگدستی اور فقر وفاقہ کو سمجھنا درست نہیں، بلکہ دیگر وجوہات ہیں، جن کا ذکر نمبر ۲۰ میں گزرا۔ ورنہ جن لوگوں کے دلوں میں دین کے احکام کی عظمت واہمیت ہے وہ نصابِ فضہ کے معیار کو ملحوظ رکھ کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور کسی مفسدہ، ضرر، عسر اور تنگی وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوتے، اور اس کے برعکس بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو نصابِ ذہب کے بھی اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ پھر فقہائے کرام نے سونے وچاندی کو زینت وتجمل میں داخل فرمایا ہے جو حاجت سے زائد چیز ہے، اگر مثالِ مذکور میں پیش کردہ شخص ضرورت مند ہے تو وہ سونا وچاندی فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرے، جس کے بعد وہ صاحبِ نصاب نہ رہے گا۔

صفحہ نمبر ۸۲ پر مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دورِ حاضر میں سرکاری ملازمین کی تنخواہ تقریباً اتنی ہوتی ہے جو چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص عیدالاضحیٰ سے ایک دن قبل تنخواہ لے لے اور یہی تنخواہ اس

کے پاس عید کے دن تک رہے تو شرعاً اس پر قربانی لازم ہے، جبکہ یہ تنخواہ اس شخص کا ماہانہ خرچہ بمشکل پورا کرتی ہے، لامحالہ یہ شخص قرض لینے پر مجبور ہوگا جو ضرر سے خالی نہیں، اور نہ ایسے لوگ قربانی کرتے ہیں جو کہ گناہ ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی الخ صفحہ نمبر ۸۲)

اولاً تو یہ مثال بھی زکوٰۃ سے متعلق نہیں بلکہ قربانی سے متعلق ہے جس پر متعدد مرتبہ تبصرہ ہو چکا، دوسرے ایسے شخص کے لئے بعض علماء نے یہ تدبیر فرمائی ہے کہ وہ ایامِ اضحیۃ سے پہلے نقد یا ادھار اپنی ماہانہ ضروریات کی اشیاء خرید لے، جس کے بعد یا تو اس کی ملکیت میں ایامِ اضحیۃ میں نصاب کے برابر مال ہی نہ ہوگا، یا وہ مدیون ہوگا، تو اس پر قربانی واجب نہ ہوگی۔

علماء و محققین کی آراء

﴿۲۵﴾...... صفحہ نمبر ۸۲ پر مولانا موصوف نے علماء محققین کی آراء کا عنوان قائم فرما کر اس کے ذیل میں جو علماء کی آراء پیش فرمائی ہیں یہ جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہیں اور ان آراء کے سامنے ہوتے ہوئے بھی جمہور فقہائے عصر ان سے اتفاق نہیں کر سکے، اس کی تفصیل رسالہ ہٰذا کے مقدمہ میں کی جا چکی ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم (فرانس) کی رائے کی حقیقت

﴿۲۶﴾...... صفحہ نمبر ۸۵ پر نمبر ۹ کے ذیل میں ڈاکٹر حمید اللہ فرانس کی رائے گرامی نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان سے بہاولپور میں ایک خطبہ کے دوران سوال کیا گیا کہ کتنی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس کے متعلق اولاً یہ سوچنا چاہیے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں درہم کی قوتِ خرید کیا تھی یعنی ایک درہم سے کتنا کام ہو سکتا تھا، پھر اس کی اساس پر ہم اب یہ دیکھیں کہ آج وہ غرض کتنے روپوں میں پوری ہوتی ہے، سیرت کی کتابوں میں ذکر آتا ہے کہ آٹھ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظّمہ کی فتح کے بعد وہاں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا اور ان کی تیس درہم ماہانہ تنخواہ مقرر کی، اس تنخواہ میں گورنر اس کی بیوی اور اس کے بچے اس کے گھر کے ملازم اور غلام وغیرہ سب گزارہ کرتے تھے، میری رائے میں اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت

ہے، تاکہ ۲۰۰ درہم کی جگہ آسانی کے ساتھ ایسی شرح مقرر کی جاسکے جو سامان کی گرانی کے باعث ہمیں مناسب نظر آئے، فرض کیجئے کہ ایک درہم کو ایک روپے کے برابر تصور کرلوں تو آج کل کی گرانی میں ۲۰۰ درہم ایک حقیر چیز ہے (خطباتِ بہاولپور ص ۳۹۲، ۳۹۳)'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۵، ۸۶)

اولاً تو یہ ان کا باقاعدہ کوئی فتویٰ یا تحریر نہیں بلکہ ایک مجلس میں کئے جانے والے سوال کا جواب ہے، جو خود مجمل و مبہم ہے، دوسرے اس کو پڑھنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ ان کے نزدیک بذاتِ خود دوسو درہم ہی نصاب میں داخل نہیں بلکہ حضور ﷺ کے زمانے کے دوسو درہم کی مالیت کا اعتبار ہے، مالِ تجارت اور کرنسی کی شکل میں مالیت کا اعتبار نہیں اور اس بات سے تو مولانا موصوف کو بھی اتفاق نہیں۔

اور اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کی کرنسی اور مالِ تجارت کی شکل میں مالیت مراد ہے تو اس میں سونے کی مالیت کے بجائے حضور ﷺ کے دور میں دوسو درہم کی مالیت مراد ہے کہ اس کی قوتِ خرید کیا تھی؟ اور قوتِ خرید کا موجودہ سونے کی مالیت کے برابر ہونا ضروری نہیں کیونکہ یہ دعویٰ ہی تا حال دلیل کا محتاج ہے کہ حضور ﷺ کے دور سے لے کر آج تک سونے کی قوتِ خرید برابر ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی سفارشات کی حیثیت

﴿۲۷﴾...... صفحہ نمبر ۸۶ پر شق نمبر ۱۱ کے ضمن میں مولانا موصوف نے اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی سفارشات کو نقل فرمایا ہے کہ:

اگرچہ اب تک چاندی اور سونے کے دو الگ الگ نصاب رائج رہے ہیں، لیکن کونسل سفارش کرتی ہے کہ حکومت انتظامی سہولت کی بناء پر سونے کے نصاب کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بطورِ معیار اختیار کرے، چنانچہ یہ اعلان کردیا جائے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا اس کے مساوی قیمت کی نقدی یا سامانِ تجارت موجود ہو اسے صاحبِ نصاب تصور کیا جائے گا (صفحہ ۱۵۹)'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار

نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۸۶، ۸۷)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کونسل کے اس فیصلہ سے اتفاق ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مشاورتی کونسل حکومتِ پاکستان کی طرف سے حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں یہ سوال کیا گیا کہ:

''زکوٰۃ کے نصاب کی تعیین کس طرح کی جائے گی؟''

تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ تحریر فرمایا کہ:

''۶۱۲ء۳۵ گرام چاندی کی قیمت کو معیار بنایا جائے الخ'' (ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ ج۴ ص۲۹۹)

اس کے علاوہ جس زمانے میں حکومتِ پاکستان نے زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے نفاذ کا اعلان کیا تھا اور اس آرڈیننس میں بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس پر غور کرنے کے لئے ہمارے اکابر کی مجلسِ تحقیق مسائلِ حاضرہ کراچی کی طرف سے جو متفقہ تحریر تیار کر کے ارسال کی گئی تھی اس کی پہلی تجویز یہ تھی کہ:

''صاحبِ نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف لکھی جائے:

''صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو'' (ملاحظہ ہو فقہی مقالات ج۲ ص۸۲، مرتبہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم)

اور حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ نے حکومتِ پاکستان کی طرف سے کسی ضرورت کی وجہ سے سونے کو نصاب کے لئے معیار مقرر کرنے کے قانون بنائے جانے کی صورت میں تحریر فرمایا کہ:

''لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے حنفی مسلک کے حضرات کو چاندی کی قیمت کے حساب سے باقی ماندہ زکوٰۃ بطورِ خود ادا کرنی چاہیئے'' (اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر اور نظامِ مالیات پر شبہات کا جواب ص۲۱۵، مکتبہ لدھیانوی، اشاعتِ اول فروری 2003ء)

’’ہماری تجویز یہ ہے کہ اس بارے میں چاندی کے نصاب کو معیار بنانا قرینِ مصلحت ہے، اور اگر حکومت سونے کے نصاب ہی کو معیار ٹھہرانا کسی وجہ سے ضروری سمجھتی ہے، تب بھی اربابِ اموال کا فرض ہوگا کہ باقی ماندہ زکوٰۃ بطورِ خود ادا کریں، یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ کچھ نقد روپے، کچھ مالِ تجارت کا مالک ہو، ان میں کوئی چیز بھی الگ طور سے بقدرِ نصاب نہ ہو، لیکن ان سب کی مجموعی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے‘‘ (اسلام کا قانونِ زکوٰۃ وعشر اور نظامِ مالیات پر شبہات کا جواب ص ۲۲۴، مکتبہ لدھیانوی، اشاعتِ اول فروری 2003ء)

پس کونسل کی طرف سے پیش کردہ جس موقف کو ہمارے اکابر نے رد کر دیا، اس کا حوالہ دینا ہمارے نزدیک مناسب نہیں۔

ملحوظ رہنا چاہئے کہ کرنسی اور مالِ تجارت میں نصابِ ذہب کو معیار بنانے کے لئے روشن خیالی اور جدت پسندی کے مدعیان کی طرف سے مدتِ دراز سے مہم جاری ہے۔

حالات کے مطابق احکام میں تبدیلی

﴿۲۸﴾...... صفحہ نمبر ۹۱ پر مولانا موصوف نے ’’حالات کے مطابق احکام کی تبدیلی‘‘ کا عنوان قائم کر کے فرمایا ہے کہ:

’’ان تمام تر تصریحات اور علمائے کرام سے ثابت شدہ اقوال اور آراء کہ اس دور میں سونے کو معیارِ نصاب بنایا جائے اور ویسے بھی موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق معیارِ نصاب کو تبدیل کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہوگی، اس لئے کہ اسلامی احکامات کا حالات سے بہت گہرا تعلق ہے، زمانہ اور حالات کی تبدیلی سے احکام میں تبدیلی آتی رہتی ہے‘‘

(اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیارِ نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۹۱)

مولانا موصوف کے اس اصولی موقف سے تو اتفاق ہے لیکن اس سے اختلاف ہے کہ حالات اس درجہ کے پیدا ہو گئے ہیں کہ نصابِ زکاۃ وغیرہ کے معیار میں تبدیلی کی جائے۔

رہا قربانی کے نصاب کا معاملہ تو عمومی حکم تو اس کے بارے میں سابقہ ہی ہونا چاہئے، البتہ کسی شخص کو خاص حالات میں عُسر ہو تو اس کے لئے یُسر کی مناسب صورت تجویز کی جاسکتی ہے۔

کیا چاندی کو معیارِ نصاب بنانا فتنہ وفساد اور دین سے دوری کا سبب ہے؟

﴿۲۹﴾......صفحہ نمبر۹۴ پر مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''چاندی کے نصاب کو معیار بنائے رکھنے کی صورت میں بہت سارے مضرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو فتنہ وفساد اور دین سے دوری کا سبب بھی بن سکتا ہے کہ لوگ اپنے اخراجات اور مہنگائی کو دیکھ کر زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں گے، جس کی وجہ سے وہ ایک فریضہ کے تارک اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو جائیں گے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر۹۴)

حالانکہ ہمارے خیال میں زکوٰۃ کے لئے چاندی کو معیارِ نصاب بنانے میں نہ تو کوئی فتنہ وفساد ہے اور نہ ہی دین سے دوری کا کوئی مسئلہ، کیونکہ جو لوگ دین کے قریب ہیں ان کے لئے زکوٰۃ ادا کرنے میں آج بھی کوئی مسئلہ نہیں اور جو پہلے سے دین سے دور ہیں ان سے موجودہ فتوے میں تبدیلی لانے کے بعد بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کی توقع رکھنا بے کار ہے۔

اس کا حل یہی ہے کہ لوگوں میں ممکنہ حد تک دین اور اس کے احکام کی اہمیت پیدا کی جائے اور صحیح مسائل سے آگاہ کیا جائے۔

رہا اخراجات اور مہنگائی کا مسئلہ تو زکوٰۃ کی مقدار اور اس کی سال میں صرف ایک مرتبہ ادائیگی کا نظام اتنا معتدل ہے کہ اس کی وجہ سے اخراجات متاثر نہیں ہوتے، فرض کیجئے کہ ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ دوسو درہم چاندی کی مالیت کے برابر ہے اور وہ ہر مہینہ اس کو خرچ کر دیتا ہے، اور حولانِ حول کے وقت وہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں اور اگر اس کے پاس حولانِ حول سے کچھ پہلے اپنے اخراجات پورا کرنے کے لئے رقم بقدرِ نصاب رکھی ہے تو مجبوری میں یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ ایسا شخص حولانِ حول سے پہلے اپنی ضروریات کی اشیاء میں اس کو خرچ کر کے مالِ نامی سے

خارج کر دے، اور بالفرض زکوٰۃ دینی بھی پڑی تو اگر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا بھی کر دے گا تو رائج الوقت اخراجات کے مقابلہ میں اس کا تناسب ہی کیا ہوگا؟

کیا سونے کو معیارِ نصاب بنانا اِس وقت انفع للفقراء ہے؟

﴿۳۰﴾......صفحہ نمبر ۹۴ پر مولانا موصوف نے ''انفع للفقراء'' کا جواب تحریر فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت فقراء کا فائدہ سونے کو معیارِ نصاب بنانے میں ہے، چاندی کو معیارِ نصاب بنانے میں نہیں اس کی تفصیل کرتے ہوئے مولانا موصوف فرماتے ہیں:

''اموالِ تجارت اور موجودہ کرنسی کے نصاب کو جو چاندی کے نصاب کا تابع بنایا جاتا ہے تو اس کے لئے بنیادی دلیل فقہائے کرام کا یہ قول ہے کہ جو نصاب فقراء کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو اس کے مطابق دیگر اموالِ تجارت کی قیمت لگائی جائے، اسی قول کی وجہ سے چاندی کے نصاب کو ترجیح دی گئی ہے اور متاخرین اہلِ علم نے اس کو ترجیح دی ہے، اگر اس پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ کوئی منصوصی حکم نہیں بلکہ احوال الناس پر مبنی ترجیح ہے، اس وقت فقراء کا فائدہ چاندی کے نصاب میں تھا، لیکن آج کل انہی فقراء کا فائدہ سونے میں ہے اور سابقہ ترجیح پر عمل ضرر سے خالی نہیں، وجہ صاف ظاہر ہے کہ ۱۰۰ میں سے اٹھانوے فیصد لوگوں کے پاس ایک تولہ سونا یا حوائجِ اصلیہ سے زائد سامان جس کی قیمت چاندی کے برابر ہے موجود ہے، اور یہ بھی مسلم ہے کہ ۱۰۰ فیصد لوگوں کے پاس کچھ نہ کچھ پیسے ضرور ہوتے ہیں تو جب سونے کے زیور کی قیمت لگائی جائے اور نقدی کو ساتھ جمع کیا جائے تو یہ شخص غنی بن جائے گا، جس کو زکوٰۃ لینا اور دینا دونوں جائز نہیں، حالانکہ وہ شخص بیماری یا دیگر حوائج کے لئے پیسوں کا زیادہ محتاج ہوگا بخلاف سونے کے نصاب کے کسی صورت میں اس کے جملہ مالیت سونے کے نصاب تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے چاندی کے برابر مال پر بھی اس محتاج کو زکوٰۃ دینا اس کا زکوٰۃ قبول کرنا دونوں جائز ہے'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار

نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۹۴، ۹۵)

جناب کے اس دعوے سے بھی اتفاق مشکل ہے، اٹھانوے فیصدی لوگوں کی ملکیت میں ایک تولہ سونا یا حوائجِ اصلیہ سے زائد نصابِ چاندی کے بقدر مال موجود ہونے کا ہمیں راولپنڈی جیسے مہنگے اور امیر شہر میں بھی وجود نہیں ملتا، مقروض اور مدیون لوگوں کی تعداد بھی اس معاشرہ میں کم نہیں، ہر عاقل بالغ شادی شدہ نہیں کہ اس کی ملکیت میں ہر حال میں سونا ہی ہو اور بے شمار شادی شدہ جوڑے ایسے ہیں جن کے پاس سرے سے سونے یا اس کے زیور کا وجود ہی نہیں، ضرورت سے زائد بقدرِ نصاب سامان و دیگر اشیاء بھی نہیں، اور ہزاروں دینی مدارس و جامعات خصوصاً پسماندہ علاقہ کے مکاتب و مدارس کے لاکھوں طلبہ کی مالی حالت کا اگر جائزہ لیا جائے تو شاید صورتِ حال بالکل ہی ناگفتہ بہ نظر نہ آئے اور بر سبیلِ تسلیم بھی حوائجِ اصلیہ سے زائد (غیر نامی مال) اگر کسی کے پاس ہو بھی تو شریعت اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کرتی، اگرچہ زکوٰۃ کا مستحق قرار نہیں دیتی، تو جب زکوٰۃ کے مستحقین کا ملنا دشوار ہو جائے اور اصل زکوٰۃ کے مستحقین کو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی زکوٰۃ کی مقدار بچ رہے اور اس کا ثبوت ہو جائے تو غور طلب مسئلہ ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا مادی مقصد صرف اس کمزور طبقے کی مدد کرنا ہے جو مالی اعتبار سے بہت ہی پسماندہ یا ضرورت مند ہو، زکوٰۃ کا مقصد مفت خوری کی ہمت افزائی نہیں بلکہ محروموں کی حاجت روائی ہے، اگر نصاب زیادہ رکھا جاتا اور اس سے کم مالدار کو مستحقِ زکوٰۃ قرار دے دیا جاتا تو زکوٰہ دینے والے کم اور لینے والے بہت زیادہ ہوتے اور معاشرے میں اتنی اکثریت مفت خوروں کی ہو جاتی کہ زکوٰۃ دینے والے جو کم تعداد میں ہوتے ان کی مجموعی زکوٰۃ بھی ان سب مفت خوروں کے لئے کافی نہ ہوتی اور ایک خرابی یہ ہوتی کہ غریب اور زیادہ غریب کے درمیان کوئی فرق نہ رہتا سب ہی مستحقِ زکوٰۃ ہوتے جس کے باعث زیادہ غریب طبقہ اور بھی محرومی کا

شکار ہوتا" (نوادر الفقہ ج۱ صفحہ نمبر ۳۵۷، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر۱۴، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی 2003ء)

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ سونا خواہ ایک تولہ ہو یا کم وزیادہ اس کا استعمال ضروری نہیں، اور آجکل اس کو ضروری بلکہ فیشن سمجھ لیا گیا ہے، اگر کوئی ضرورت مند ہے تو زیور بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرے، فالتو ساز وسامان تو مالِ نامی بھی نہیں کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو، قربانی کے بارے میں اپنے موقف سے آگاہ کیا جاچکا ہے۔

کیا چاندی کو معیارِ نصاب بنانا سونے کے نصاب کو مہجور کرنا ہے؟

﴿۳۱﴾......صفحہ نمبر ۹۵ پر اسی مذکورہ عنوان کے تحت مولانا موصوف نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

"انفع للفقراء کی بنیاد پر چاندی کے نصاب کو ترجیح دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا کہ سونے کا نصاب بالکلیہ متروک ومہجور ہو جائے" (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۹۵)

حالانکہ خالص سونا ساڑھے باون تولہ ہونے کی صورت میں اس نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے، جب تک سونے اور چاندی کی قیمتوں میں زیادہ تفاوت نہیں تھا اس وقت بھی یہی صورتِ حال تھی یعنی ایک صورت میں سونے کا نصاب معتبر تھا اور اگر چاندی کے بجائے کرنسی اور مالِ تجارت کچھ سونا کچھ چاندی وغیرہ کی صورت میں سونے کے نصاب کا اعتبار کیا جائے تو پھر جس انداز سے پہلی صورت میں سونے کا نصاب مولانا موصوف کے نزدیک متروک ومہجور تھا، اسی انداز سے مولانا موصوف کے پیش کردہ موقف کے مطابق چاندی کا نصاب متروک ومہجور ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اپنے دور میں دیت بارہ ہزار درہم مقرر فرمانے کی حقیقت

﴿۳۲﴾......صفحہ نمبر ۹۶ اور صفحہ نمبر ۹۷ پر ابوداؤد کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اونٹوں کے مہنگا ہونے کی صورت میں دیت کی قیمت بڑھانے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں:

"حضرت عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ عہدِ نبوت ﷺ میں دیت ۸۰۰ دینار یا ۸۰۰۰ درہم ہوا کرتی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں ایک

تقریر کے دوران فرمایا کہ اونٹوں کی قیمتیں گراں ہوگئی ہیں، اور آپ نے سونے کے مالکوں پر ایک ہزار دینار اور چاندی کے مالکوں پر بارہ ہزار درہم دیت مقرر فرمائی'' (اموالِ تجارت اور مروجہ کرنسی کے لئے معیار نصاب سونا یا چاندی صفحہ نمبر ۹۶ و صفحہ نمبر ۹۷)

اگرچہ مؤلف صاحب نے اس روایت کو پیش کر کے اس سے اپنے استدلال کو منقح نہیں کیا، لیکن بظاہر مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اونٹ مہنگے ہونے سے دراہم و دنانیر سے اُن کی مالیت میں اضافہ تصور کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس دور میں سونے کے مقابلے میں چاندی کے سستا ہونے کی صورت میں بھی چاندی کے نصاب کو سونے کے نصاب کے قریب لایا جاسکتا ہے۔

لیکن کیونکہ ابوداؤد کی اس روایت کے موضوع کو سمجھے بغیر اس کے جواب کو سمجھنا مشکل ہے، اس لیے پہلے دیت کے مسئلے کو سمجھ لینا ضروری ہے۔

تو جاننا چاہیے کہ فقہائے کرام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ آزاد اور مسلمان مقتول کی دیت ایک سو اونٹ ہیں لیکن فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ دیت میں اصل چیز کونسی ہے؟

کیا اصل اونٹ ہیں؟ اور اس کے علاوہ دیگر اصناف کو اونٹوں ہی کی مالیت کے مطابق اندازہ اور تخمینہ کر کے ان کی دیت دی جائے گی؟ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ دیت اونٹ، سونے، چاندی تینوں میں سے کسی ایک میں ادا کی جاسکتی ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ باقاعدہ دیت ہے اور کسی اور چیز سے ان کی قیمت ان کا بدل ہے (ماخوذ از ''قانونِ قصاص و دیت''، بتغیر، صفحہ ۱۰۵، ترتیب از ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب مطبوعہ: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کی دیت چاندی سے دس ہزار درہم، اور سونے سے ایک ہزار دینار اور اونٹوں سے سو اونٹ ہیں (اور اونٹوں میں پانچ اقسام مقرر ہیں) اور عورت کی دیت اس سے نصف ہے (احسن الفتاویٰ جلد ۸ صفحہ ۵۴۰ و معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۳۷)

قال ابو حنیفة الدیة من الابل والدراهم والدنانیر فمن الدراهم عشرة آلاف درهم ومن الدنانیر الف دینار وابو حنیفة لایری الدیة الا من

الابل والورق والذهب (احکام القرآن للجصاص جلد۳، صفحہ ۲۹۶)

وأنـمـا لم يجعل ابو حنيفة الدية من غير الاصناف الثلاثة من قبل ان الدية لـمـا كـانـت قيـمة النفس كان القياس ان لا تكون من الدراهم والدنانير كـقيـم سـائـر المتلفات، الا انهٗ لما جعل النبیﷺ قيمتها من الابل اتبع الاثر فيها ولم يوجبها من غيرها (احکام القرآن للجصاص جلد۳، صفحہ ۲۹۸)

حنابلہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے ساتھ ساتھ گایوں اور بکریوں کی شکل میں بھی ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ امام محمد اور امام ابو یوسف نے پارچہ جات کا بھی اضافہ کیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ مستقل بالذات دیت ہیں۔

امام شافعی کے آخری قول اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق دیت میں اصل اونٹ ہیں اس کے علاوہ تمام اشیاء میں دیت کی مقدار کا تعین اونٹوں کے بدل کے طور پر اور ان کی قیمت کے حساب سے ہوگا (ماخوذ از ’’قانونِ قصاص و دیت‘‘، بتغیر، صفحہ ۱۰۵)

ابوداؤد کے حوالہ سے پیش کردہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اولاً تو دراہم ودنانیر کی اس تقدیر سے زیادہ تھا جو حضورﷺ سے ثابت ہے، اور اگر ایک اصل کو دوسری اصل کا بدل تصور کر کے اُس اصل کی اپنی مقدار سے زائد کے ساتھ ادائیگی کی جائے تو ادائیگی معتبر ہوجاتی ہے، **کـصـدقة الـفطـر** دوسرے یہ روایت امام شافعی رحمہ اللہ کے آخری قول کی مستدل ہے، ان کے آخری قول کے مطابق دیت میں اونٹ اصل یعنی تقدیر ہیں اور دراہم ودنانیر بدل یعنی تقویم، تو اس صورت میں دراہم ودنانیر سے دیت کی ادائیگی کے وقت اونٹوں کی مہنگی قیمت کا اعتبار کر کے اسی کے مطابق دراہم ودنانیر کی مقدار میں زیادتی کی جائے گی۔

اور موجودہ کرنسی کا زکاۃ کے باب میں سونے (نہ کہ چاندی) کا بدل ہونا ثابت نہیں۔

لٰہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ زکوٰۃ کے مجوث فیہ مسئلے میں حجت نہیں رکھتا۔

وہ روایت جو ابوداؤد کے حوالہ سے مؤلف نے پیش کی ہے، اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حـدثـنـا يحيىٰ بن حكيم نا عبدالرحمٰن بن عثمان نا حسين المعلم عن

عـمـرو بـن شـعـيـب عـن ابيه عن جده قال كانت قيمة الدية علىٰ عهد رسول الله ﷺ ثمان مائة دينار او ثمانية اٰلاف درهم ودية اهل الكتب يـومـئـذ الـنـصف مـن دية الـمسلمين قال فكان ذالک كذلک حتى استـخـلف عـمـر فقام خطيبا فقال ان الابل قد غلت قال ففرضها عمرُ عـلـى الـذهـب الف ديـنار وعلىٰ اهل الورق اثنى عشر الفا وعلىٰ اهل البـقـر مـائتـى بـقرة وعلىٰ اهل الشاة الفى شاة وعلىٰ اهل الحلل مائتى حـلة قـال وتـرک دية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية (ابوداؤد، كتاب الديات، باب فى الدية كم هى)

تیسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق مندرجہ بالا روایت مصنف ابنِ ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کی مندرجہ ذیل روایات کے خلاف ہے۔

حـدثـنـا وكيـع عـن ابـن ابـى ليلىٰ عن الشعبى عن عبيدة السلمان قال وضـع عـمـر الـديـات فـوضـع على اهل الذهب الف دينار وعلىٰ اهل الـورق عشـرـة آلاف وعـلـىٰ اهل الابل مئة من الابل وعلىٰ اهل البقر مأتيً بقرة مسنة وعلىٰ اهل الشاة الفى شاة وعلىٰ اهل الحلل مأتيً حلة (مصنف ابنِ ابى شيبة جلد۶، كتاب الديات، الدية كم تكون)

عبدالرزاق عن الثورى عن ابن ابى ليلىٰ عن الشعبى ان عمر قضى اهل الـورق عشـرـة آلاف وعـلـىٰ اهل الدنانير الف دينار وعلىٰ اهل الحلل مـئتـى حلة وعلىٰ اهل البقر مئتى بقرة قال وسمعنا انها سنة وعلىٰ اهل الشاء ألفي شاة وسمعت انها سنة وعلىٰ اهل الابل مئة من الابل (مصنف عبدالرزاق جز ۹، كتاب العقول، باب كيف أمر الدية)

مذکورہ دونوں روایات میں اونٹوں کی طرح دراہم ودنانیر کا بھی دیت کی ادائیگی میں اصل ہونا معلوم ہورہا ہے؛ جبکہ ابوداؤد کی روایت سے بظاہر دراہم ودنانیر کا اونٹوں کا بدل اور اونٹوں کا اصل ہونا

معلوم ہو رہا ہے۔

چوتھے ابوداؤد کی روایت کو مضطرب اور غیر محقق قرار دیا گیا ہے، اور حضور ﷺ کا اپنا فیصلہ بھی ابوداؤد کی روایت کے خلاف اور مندرجہ بالا دونوں روایات کے موافق ہے۔

عن محمد بن اسحاق عن عطاء أن رسول اللہ ﷺ وضع الدية على الناس في أموالهم ماكانت :على اهل الابل مئة بعير ،وعلى اهل الشاء الفي شاة ،وعلىٰ اهل البقر مأتي بقرة، وعلىٰ اهل البرود مأتي حلة

(مصنف ابنِ ابی شیبة، جلد۴، کتاب الدیات کذا فی کتاب الخراج لابی یوسف)

اس لیے بھی ابوداؤد کی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

اور پانچویں اگر اس روایت کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے اہلِ ذمہ کی دیت کا مسلمانوں کی نصف دیت سے بھی انقص ہونا لازم آتا ہے، دراں حالیکہ حضور ﷺ نے اہلِ ذمہ کی نصف دیت مقرر فرمائی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اہلِ ذمہ کے بارے میں سنتِ رسول کی تبدیلی کا گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے۔

قلنا حديث عمرو بن شعيب فى هٰذا الباب مضطرب كما فى الاعلاء

(احکام القرآن للتهانوی جلد۲ صفحه ۳۱۷ ،تحت سورة النساء)

قلنا: ماروا ه ابن اسحاق مبنى على العلم، وماروا ه عمرو بن شعيب يحتمل أن يكون مبنيا على عدم العلم بتقدير رسول اللہ ﷺ ،فيرجح ماروى ابن أسحاق على ماروى عمروبن شعيب ،ولو سلم رواية عمرو بن شعيب يلزم ان يكون دية أهل الذمة أنقص من نصف دية المسلمين، وقد قدره رسول اللہ ﷺ بالنصف، فكيف يظن بعمر أنه بدل سنة رسول اللہ ﷺ فى أهل الذمة؟ ثم لما كان بالدينار فى زمنه ﷺ مقابلاً بعشرة دراهم، كما يدل عليه قوله: كانت الدية على عهد النبى ﷺ ثمان مائة دينار أو ثمانية آلاف درهم، كان مقتضى التقويم أن

یقوم بعشرة آلاف درهم؛ لانه قومها بالدينار بألف دينار، فالظاهر أن الرواية غير مبنية على التحقيق، ولاتغتر بوثاقة الرواة، فأن الثقة محفوظ عن الكذب، وليس بمعصوم عن الخطأ والتوهم وعدم الحفظ، فالراجح هو حديث ابن اسحاق (اعلاء السنن جلد ۱۸ صفحه ۱۵۵، ۱۵۶)

خلاصۂ کلام

مذکورہ نقد و تبصرے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ مصنف موصوف نے جس انداز سے مالِ تجارت اور کرنسی کے نصاب کو سونے کے نصاب کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں، اُن میں متعدد دلائل بے محل اور انداز غیر مناسب ہونے کے ساتھ ساتھ سخت فتنوں کے راستے کھولنے کا باعث ہے۔ نیز مالِ تجارت اور کرنسی کے اندر وجوبِ زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور قربانی کے سلسلہ میں ادنیٰ نصاب کو ہی معیار بنانا چاہئے، اور عام حالات میں اسی پر فتویٰ دینا چاہئے۔

تاہم اگر کسی زمان و مکان میں اضحیۃ کے غیر معمولی مہنگا ہونے کے باعث کچھ لوگوں کو ادنیٰ نصاب (جو آج کل ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ہے) کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی اضحیۃ میں بھی (جو کہ بعض حضرات کے نزدیک بڑے جانور کا ساتواں حصہ ہے، جس کی قیمت آج کل عموماً بکری وغیرہ سے کم ہے) تنگی و حرج لازم آتا ہو، اور ایامِ قربانی سے پہلے وہ حرج رفع نہ ہوتا ہو (مثلاً اُس مال کو اپنی حاجاتِ اصلیہ میں مشغول کرکے) تو اس قسم کے حرج والے حالات میں ان خاص لوگوں کے حق میں وجوبِ اضحیہ ساقط کرنے اور اعلیٰ نصاب (جو آج کل ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت ہے) کے اعتبار سے اُضحیۃ کے وجوب فتویٰ کی گنجائش ہوسکتی ہے، [1] نہ یہ کہ علی الاطلاق سب کے حق میں نصابِ زکاۃ و قربانی کو ساڑھے سات تولے سونے کی مالیت کے ساتھ وابستہ کردیا جائے۔ لان الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ۔

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔ ۱۳/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

اضافہ و اصلاح ۲۹/ ۶/ ۱۴۲۷ھ۔ نظرِ ثانی ۵/ ۱۰/ ۱۴۲۹ھ، دارالافتاء ادارہ غفران، راولپنڈی

---

[1] البتہ بعض اہلِ علم حضرات اس صورت میں بھی سونے کو معیارِ نصاب دینے کے خلاف ہیں۔

علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۴ کے متعلق اہلِ علم حضرات کی آراء

مفتی غلام قادر نعمانی صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع نوشہرہ)

باسمہٖ تعالیٰ

گرامی قدر جناب حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب مدیر ماہنامہ ''التبلیغ''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تحقیقی رسالہ ماہنامہ ''التبلیغ'' موصول ہوا، تفصیلی مطالعہ کا وقت نہیں ملا، لیکن چند صفحات پر سرسری نظر ڈالی، مذکورہ رسالہ میں معیار سونا ہے یا چاندی کے عنوان سے جو گفتگو ہوئی ہے، اس سے متعلق مختصراً چند نکات عرض کرتا ہوں، شاید اس مسئلہ میں کام آئیں:

(۱)...... جو مسائل قرآن وسنت میں منصوص ہوں اس میں جدید تحقیق کی ضرورت نہیں، بلکہ نص کے مطابق اس پر عمل کیا جائے گا، چنانچہ مسلکِ احناف کا مشہور قاعدہ ہے:

لامساغ للاجتهاد فی مورد النص(المادة ۱۴ ص ۴۰، شرح المجلة للآتاسی)

یعنی جہاں نص وارد ہوئی ہو وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ [۱]

---

[۱] مگر اس قاعدہ میں کچھ تفصیل ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔

اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ :أَنْ يَكُونَ الْحُكْمُ مُخَالِفًا لِلنَّصِّ أَيْ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ أَوْ السُّنَّةِ الْمَشْهُورَةِ أَوْ الْإِجْمَاعِ وَفِي هَذَا الْحَالِ يُرَدُّ الْحُكْمُ وَيَبْطُلُ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّهُ حَسَبَ الْمَادَّةِ (14) مِنْ الْمَجَلَّةِ (لَا مُسَاغَ لِلِاجْتِهَادِ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ)(درر الحكام شرح مجلة الاحكام ،المادة ۱۸۳۸ :ادعى المحكوم عليه بان الحكم الذى صدر)

(القاعدة الثالثة عشرة (المادة / 14)(لا مساغ للاجتهاد فی مورد النص)(أولا:الشرح)لا مساغ للاجتهاد فی مورد النص لأن الحكم الشرعی حاصل بالنص ،فلا حاجة لبذل الوسع فی تحصيله ، ولأن الاجتهاد ظنی والحكم الحاصل به حاصل بظنی ، بخلاف الحاصل بالنص فإنه يقينی ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......جس مسئلہ پر چودہ سو سال سے مسلسل امت کا اجماع چلا آ رہا ہو، وہ مسئلہ ایک محقق کی رائے سے تبدیل نہیں ہوتا، ہاں اگر ضرورتِ شدیدہ پیش آئے تو اس وقت جمہور علمائے امت کا اتفاق مسئلہ کے تغیر میں ضروری ہوتا ہے۔

(۳)......جہاں سونے اور چاندی میں تفاوت کا سوال ہے، تو یہ تفاوت کوئی نئی بات نہیں، بلکہ یہ تفاوت حضور ﷺ کے مبارک دور ہی سے چلا آ رہا ہے، اور اسی وقت سے تسلیم شدہ ہے، لہٰذا تغیرِ زمانہ سے زیادہ تفاوت یا کم تفاوت اس میں مضر نہیں۔

(۴)...... جہاں یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ چاندی کی قیمت کو نصاب کا معیار بنانے سے ایک تنخواہ خور جس کی تنخواہ ایک مہینہ کے لئے کافی ہے، اس پر قربانی واجب ہوگی، جبکہ یہ اس کی استطاعت سے باہر ہے، اس سوال کا مختصراً جواب یہ ہے کہ شریعت میں وہ روپے نصاب میں شمار ہوتے ہیں جو حوائجِ اصلیہ سے زائد ہوں، اور جو روپے حوائجِ اصلیہ سے زائد نہ ہوں وہ نصاب میں شمار نہیں ہوتے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے ردالمحتار میں حوائجِ اصلیہ کی مدت ایک سال بیان کی ہے، کہ ایک سال کی ضرورت حوائجِ اصلیہ میں شمار ہے۔

تو جس شخص کے پاس ایک سال کی ضروت سے زائد روپیہ ہو وہ نصاب میں شمار ہے، اور جس کے پاس ایک سال کا خرچہ نہ ہو وہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ زیادہ ہو، تو اس مسئلہ میں کوئی ضیقت نہیں ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولا یترک الیقینی للظنی المراد بالنص الذی لا مساغ للاجتهاد معه هو المفسر المحكم ، وإلا فغيرهمامن الظاهر والنص لا يخلو عن احتمال التأويل وبيان ذلک أن أقسام الدليل اللفظی بحسب الإفضاء إلى الأحكام أربعة ظاهرٌوهو ما ظهر المراد منه بصيغته مع احتمال التأويل ونصّ وهو ما ازداد وضوحاً على الظاهر بمعنى سيق له الكلام لأجله،لا من نفس الصيغة ، مع احتمال التأويل أيضاً

ومفسّر :وهو ما ازداد وضوحاً على النص على وجه لا يبقى معه احتمال التأويل

ومحكم :وهو ما أحكم المراد منه من غير احتمال تأويل ولا نسخ فحيث كان الأولان لا يخلوان عن احتمال التأويل يكون مساغ للاجتهادموجود معهما،المراد بالنص ها هنا :الكتاب والسنة المشهورة والإجماع ، فلا يجوز(شرح القواعد الفقهية القاعدة الثالثة عشرة، المادة۱۴)

جس کے پاس ایک سال کے اخراجات کے علاوہ روپیہ مقدارِ نصاب چاندی تک پہنچا ہو تو اس میں کیا حرج ہے کہ وہ قربانی کرے یا زکوٰۃ ادا کرے۔ فقط [1]

غلام قادر نعمانی عفی عنہ۔ ۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ

رئیس دارالافتاء، جامعہ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب زید مجدہٗ

(جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، نوشہرہ سرحد)

محترم ومکرم جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔ التبلیغ کا نیا شمارہ بھی موصول ہوا۔ اور علمی وتحقیقی سلسلہ بھی۔ بے حد شکر گزار ہوں۔ اللہ کریم اجر عظیم سے نوازے۔

علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۱۴ ''مال تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار'' اول وآخر ایک ہی مجلس میں پڑھا، جب ختم کیا تو دوبارہ پڑھنے کو جی چاہ رہا تھا۔

ماشاء اللہ! نہایت علمی اور تحقیقی رسالہ ہے بہت پسند آیا۔ اللہ کریم مزید علمی کام کرنے کی توفیق ارزانی فرماوے والسلام۔

عبدالقیوم حقانی

---

[1] اس سلسلہ میں بندہ فقہائے کرام کی عبارات میں غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ مالِ نامی (جس میں روپیہ پیسہ بھی داخل ہے) وہ اگر دَین میں مشغول نہ ہو تو فارغ عن الحاجۃ الاصلیہ شمار ہوگا، البتہ مالِ غیر نامی میں سال بھر کی حاجات کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

لہٰذا مالِ نامی فارغ عن الدَّین کو سال بھر کی ضروریات میں محسوب کرنا محلِ نظر ہے، بندہ نے حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہونے کے مفہوم پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیا ہے، جس کی ابھی تبییض نہیں ہوسکی، جو ان شاء اللہ تعالیٰ کسی وقت علمی وتحقیقی سلسلہ میں شائع ہوگا، اس مضمون میں اس پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ محمد رضوان۔

مولانا محمد معاذ صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء جامعۃ الحبیب سرگودھا روڈ چکوال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت اقدس محترمی ومکرمی جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعداز تحیہ مسنونہ عرض ہے کہ جناب والا کے علمی سلسلہ کی نئی پیش کش رسالہ ''مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار'' موصول ہوا۔ یادآوری کا شکریہ، جزاک اللہ خیراً۔

جس کا مکمل مطالعہ کرنے کی بحمداللہ توفیق ہوئی، ماشاءاللہ اپنے موضوع پر یہ رسالہ ایک کافی وافی دستاویز ہے۔ **بار ک اللہ تعالیٰ فی علمکم و تقبل مساعیکم الصالحۃ۔**

(۱) بندہ جناب کی تحقیق وفقہائے کرام کی تصریحات سے متفق بلکہ اپنے اکابر کا مقلد ہے کہ اموالِ تجارت میں بھی معیارِ نصاب چاندی ہے اور اسی میں فقراء کا نفع ہے، اور جن لوگوں کو مولانا موصوف صاحب اغنیاء کی صف سے نکالنا چاہتے ہیں، شریعت ان کو اغنیاء قرار دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آجکل غربت ومہنگائی کا جتنا شور شرابہ ہے اس سے انکار نہیں، مگر زیادہ تر ناشکری، فضول خرچی اور معاشرتی مقابلہ بازی ہے، تو ایسے ناجائز جذبات واحوال کیلئے نصوص کو بدل کر حالات کے تابع بنانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ آجکل کے روشن خیالوں کی خواہشات بھی تو یہی ہیں اسی طرح نصابوں میں مماثلت یا تقارب بھی کچھ ضروری نہیں، بلکہ اس کو ناممکن کہنا بھی شاید بے جا نہ ہو، مثلاً آجکل نصف صاع گندم ۵۰ روپے کی، ایک صاع کھجور تقریباً ۴۰۰ روپے کی اور ایک صاع کشمش تقریباً ۵۴۰ روپے کی ہے، تو ان میں تقارب کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

ص ۴۹ و ۵۰ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۰، ۵۱) پر مولانا انور علی اعظمی صاحب مدظلہ کی طرف سے تقارب کی کوشش کو جو نقل کیا گیا ہے میرے خیال میں تو اس کی بھی ضرورت نہیں کہ جس چیز کو

شریعت نے معتبر نہیں جانا اس کو تلاش کرنے کی محنت کس لئے؟ ؎۱

(۲) اکثر عوام بلکہ کثیر خواص بھی یہی سمجھتے ہیں کہ سونا جب تک ساڑھے سات تولہ نہ ہو، نہ زکوٰۃ لازم ہے نہ قربانی چنانچہ ان خواص کے گھروں سے بھی خواتین زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں، حالانکہ ان کے پاس کچھ زیور اور کچھ نہ کچھ نقدی اور غیر ضروری سامان موجود ہوتا ہے جس سے نصاب کی مالک بن جاتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلے کو عام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔

(۳) ص ۲۶ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۲۷) پر رسالہ متکلم فیہا کی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی مقدار ادا کرنے سے دردر کی ٹھوکریں کھانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ انتھی کلامک

حالانکہ یہ دعویٰ مذکورہ رسالہ میں ص ۲۵ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۲۶) پر فقیر کے متعلق ہے نہ امیر کے متعلق۔ ؎۲

(۴) اس دفعہ رسالہ میں کئی جگہ پر کمپوزنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں چند ایک تو نوٹ کی ہیں باقی میں التزام چھوڑ دیا مثلاً ص ۴۹ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۰) پر اور نہ اس کتاب کی بنیاد پر کوئی حکم شرعی متفرع کیا، یہاں کتاب کی مراد سمجھ میں نہیں آئی کہ کونسی کتاب ہے۔ ص ۵۰ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۱) پر مگر اس میں کلام میں ص ۷۲ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۷۳) پر، ان پر فتویٰ پر۔ وغیرہ ؎۳

؎۱ بندہ نے یہ بات صرف جناب مولانا انور علی اعظمی صاحب مدظلہ کے کلام کے اُن کی طرف سے واقع کے مطابق ہونے کی تصدیق کے لیے عرض کی تھی، ورنہ واقعہ یہی ہے کہ اگر فی الواقع ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت میں دس بکریاں نہ خریدی جاسکیں، تب بھی نصابِ زکوٰۃ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ صدقۂ فطر کی اشیائے اربعہ (ایک صاع کشمش، ایک صاع کھجور، ایک صاع جَو اور نصف صاع گندم) کے درمیان مالیت میں فرق کو شریعت نے گوارا کیا ہے۔

جناب کے اس توجہ دلانے پر بندہ ممنون ہے۔

؎۲ غور کرنے سے بندہ کو جناب کی رائے سے اتفاق محسوس ہوا، بظاہر یہ بات فقیر کے متعلق ہے، اور ہمارے مذکورہ رسالے کے صفحہ ۲۵ پر مذکورہ عبارت اس طرح ہونی چاہیے کہ

''اغنیاء اگر ٹھیک ٹھیک ڈھائی فیصد زکاۃ کی مقدار ادا کریں تو فقراء کے دردر کی ٹھوکریں کھانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا''

؎۳ جناب نے درست فرمایا، اس مرتبہ واقعۃً کچھ کتابت کی غلطیاں رہ گئی تھیں، جن پر بعد میں خود سے بھی توجہ ہوئی، اور بعض دیگر حضرات کے توجہ دلانے سے بھی توجہ ہوئی۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵) آنجناب کا یہ سلسلۂ تحقیق بہت ہی مفید اور پسندیدہ ہے، تحقیقات تو سب یا کثیر محققین کر ہی رہے ہیں مگر آپ کی اس سلسلے میں دو باتیں ہم سب کیلئے باعث تقلید و باعثِ راہنمائی ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ اپنی ہر تحقیق کو عوام میں پہنچانے سے قبل اہلِ علم سے آراء لینا، ان کی جرح و تعدیل و مشاورت کے بعد پھر عوام کے سامنے لانا، تاکہ کل کو اس پر کوئی اعتراض واختلاف ممکن حد تک نہ ہو سکے اور عوام میں انتشار کا باعث نہ بنے۔

(۲) دوسری یہ کہ اگر کسی عالم سے کوئی تسامح ہوا اور اس کی تحریری گرفت یا راہنمائی ضروری ہو تو ایسے مضامین کو عوامی رسائل واخبارات میں شائع کر کے عوام میں اس کی مٹی پلید کرنے اور ان کو مزید انتشار میں ڈالنے کی بجائے ایک مستقل تحریری صورت بنانا، جو صرف اہلِ علم وافتاء تک ہی پہنچے، عوام کو اس کی خبر بھی نہ ہو، تاکہ علماء کا مسئلہ علماء میں ہی حل ہو جائے۔

یہ طریقہ کار تمام اہلِ عصر علماء کیلئے بہت احسن وقابل عمل ہے...........

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

چنانچہ ص۴۹ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۰) پر لفظ ''کتاب'' غلطی سے لکھ دیا گیا ہے، اور یہ اضافی لفظ ہے، اور ص۵۰ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۱) پر اصل جملہ اس طرح ہے ''اس میں کلام یہ ہے'' اور ص۷۲ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۷۳) پر اصل جملہ اس طرح ہے:

''ضرورت کے وقت ان کے فتویٰ پر غور کیا جا سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے زکوٰۃ کے نصاب کو''

اور ص۲۱ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۲۲) پر چوتھی سطر میں ''عشر'' کے بعد لفظ ''کے'' زائد ہے، اور لفظِ ''شرائط'' کے بعد ''بھی'' ہونا چاہئے، اور پوری عبارت اس طرح ہونی چاہئے:

''زکوٰۃ اور عشر کا نصاب بلکہ ان کی شرائط بھی آپس میں مختلف ہیں''

اسی طریقہ سے ص۷۴ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۷۵) پر جملہ اس طریقہ سے ہے:

''لیکن اسی فیصد لوگوں کے زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی وجہ ان کی تنگدستی اور فقر وفاقہ کو سمجھنا درست نہیں''

اور اسی طرح ص۷۸ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۷۹) پر لفظِ ''فضۃ'' غلطی سے لکھا گیا ہے، اور اصل لفظ ''ذہب'' ہے، اور پوری عبارت اس طرح ہے:

''ملحوظ رہنا چاہئے کہ کرنسی اور مالِ تجارت میں نصابِ ذہب کو معیار بنانے کے لئے روشن خیالی اور جدت پسندی کے مدعیان کی طرف سے مدتِ دراز سے مہم جاری ہے''

اور ص۸۷ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۸۸) پر لفظِ ''اعلیٰ'' چھوٹ گیا ہے، پوری سطر کی عبارت اس طرح ہے:

''اضحیہ ساقط کرنے اور اعلیٰ نصاب (جو آج کل ساڑھے سات تولہ سونے کی مالیت ہے) کے اعتبار سے اضحیۃ کے''

جناب اور دیگر حضرات کی توجہ دلانے پر بندہ ممنون ہے۔

کوئی ہے جو اس احسن اندازِ تحریر و تنقید کو اپنا کر قوم، ملک و ملت پر احسان فرما دے۔ شکریہ

فقط والسلام

دعاء جو، محمد معاذ، یکم ذیقعد ۱۴۲۹ھ

دارالافتاء دارالعلوم حنفیہ چکوال

مولانا مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ

(معین مفتی ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت قابلِ صد احترام حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ماہنامہ ''التبلیغ'' کے علمی وتحقیقی سلسلے کے نمبر ۱۴ بعنوان ''مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار'' کا بغرض استفادہ بالاستیعاب مطالعہ کرنے کی بحمداللہ ناچیز کو توفیق ہوئی۔ مالِ تجارت اور کرنسی کے نصابِ زکوٰۃ سے متعلق کافی حوالے اور دلائل یکجا جمع ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل انداز میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ سونے و چاندی کے نصاب میں مالیت کے اعتبار سے غیر معمولی فرق ہونے کی صورت میں بھی نصاب کی سطح بلند کرنے یا بدلنے کی کوشش کرنا (جیسا کہ بعض حضرات کی طرف سے ایسی کوشش منظرعام پر آئی ہے) شرعی اصولوں کے مطابق نہ ہوگا کیونکہ یہ نصاب امر تعبدی ہے نہ کہ امر اجتہادی۔ دورانِ مطالعہ بعض جگہ لفظی غلطی محسوس ہوئی جو یقیناً کمپوزنگ کے دوران ہوئی ہونگی اگر آئندہ کیلئے ان کی اصلاح ہو جائے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل اور خلوص وتقویٰ میں یوماً فیوماً ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

دعا گو ودعا جو محمد یونس ۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

خادم دارالافتاء ادارہ غفران، چاہ سلطان راولپنڈی

مولانا مفتی محمد امجد حسین صاحب زید مجدہٗ

(معین مفتی ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التبلیغ کے علمی و تحقیقی سلسلہ کا شمارہ نمبر ۱۴ زیرِ عنوان ”مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار“ حضرت جی مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم کا ایک اہم وحساس موضوع پر نہایت وقیع مقالہ ہے، گذشتہ کچھ عرصہ سے بعض دینی اور بہت سے دنیوی حلقوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ صدائیں اٹھنے لگتی ہیں کہ اموالِ زکوٰۃ میں وجوبِ زکوٰۃ کے لئے چاندی کے نصاب کو معیار بنانے رائج الوقت اجتماعی زندگی اور معاشی صورتحال کے تناظر میں بڑا حرج سامنے آ رہا ہے کہ جو زکوٰۃ ادا کرنے کا صحیح صحیح اہتمام کرتے ہیں ان پر غیر معمولی بوجھ پڑتا ہے اور جو لاعلمی یا لاپرواہی وغفلت کی وجہ سے ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام نہیں کرتے یا صحیح معنوں میں اہتمام نہیں کرتے وہ خواہ مخواہ گنہ گار ہو رہے ہیں اور چونکہ چاندی کے نصاب کی مالیت کوئی بہت بڑی نہیں بلکہ اتنی بنتی ہے کہ عموماً اکثر و بیشتر حضرات اس نصاب کے حامل ہوتے ہیں اس وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ کرکے مسلمانوں کا یہ بہت بڑا طبقہ ہے جو گنہ گار ہو رہا ہے۔

اور اس طرح کے تحفظات واشکالات قربانی کے وجوب کے لئے بھی چاندی کے نصاب کے متعلق پیش کئے جاتے ہیں۔ حضرت جی دامت برکاتھم نے مقالہ کے شروع میں ہی اکابر ومعاصر فقہائے امت اور اربابِ افتاء کے اس حوالے سے فتاویٰ وتحریرات اور عالم اسلام کے نمائندہ فقہی اداروں اور اکیڈمیوں کے فیصلوں کو جمع فرمایا ہے، جس سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سونے چاندی کے مقررہ شرعی نصابوں میں سے جس نصاب کے ساتھ بھی کرنسی اور مالِ تجارت وغیرہ کی مالیت پوری ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

پھر دوسرے نصاب کے پورا ہونے کا انتظار نہ کیا جائے گا۔ بندہ کی سمجھ کے مطابق جن اکابر اہلِ علم و

فقہاء کے یہ فتاویٰ اور تحریرات ہیں ایک تو ان کی فقاہت اور احکام شرع اور ان کے علل و مصالح میں رسوخ اور عرف واحوالِ زمانہ واہل زمانہ سے آ گاہی و واقفیت مسلّم ہے دوسرے یہ اکثر فتاویٰ و تحریرات اسی قریبی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور یہی حال ان منتخب و مقتدر فقہی اکیڈمیوں کے فیصلوں کا بھی ہے نیز فقہی اکیڈمیوں کے فیصلے اجتماعی غور وفکر اور بحث ونظر کے کئی مراحل سے گزر کر طے ہوتے ہیں جس میں متعلقہ مسئلہ کے تمام شرعی پہلو اور اس کے تطبیق وعمل درآمد میں زمانی و مکانی مشکلات و دشواریاں اور معروضی احوال سب پیش نظر ہوتے ہیں۔

اس لئے اہلِ علم کے ان اجتماعی فیصلوں اور انفرادی تحریرات اور فتوؤں کے بعد اس مسئلہ میں کوئی خلجان باقی نہیں رہ جاتا۔

اس حوالے سے جو اشکالات اُن غیر اہل علم طبقات کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں جن کو احکام شرع کی عظمت، اہمیت اور نزاکت کا پوری طرح احساس نہیں ہوتا اور گونا گوں مشکلات کا وہ رونا روتے ہیں اُس سے تو یوں نظر آتا ہے جیسے دل و دماغ مادیت میں ہی پوری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔

روحانی اور ایمانی ذوق اور حلاوت سے شائد محرومی ہے ورنہ دینی اعتبار سے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ بودے یہ اشکالات پیش نہ آتے۔

اور اس قسم کے اشکالات اور مشکلات عموماً تصویر کی محض یک رخی عکاسی کرتے ہیں اور معاملے کے صرف ایک پہلو کو پیش کرتے ہیں ورنہ خود امر واقعہ کے اعتبار سے تصویر کا دوسرا رخ اور معاملہ کے دیگر پہلو اس کے برعکس صورتحال کے عکاس ہوتے ہیں اس کا بڑا عمدہ نمونہ اس مطبوعہ مقالے کے اس پہلے ایڈیشن کے ص ۵۱ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۵۲) پر حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحب شہید علیہ الرحمہ کے اقتباس اور ص ۸۱ (موجودہ طباعت میں صفحہ ۸۲) پر حضرت مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے اقتباس میں دیکھا جا سکتا ہے۔

باقی حضرت جی دامت برکاتہم کی طرف سے تو اس قسم کی تاویلاتِ باردہ کے تجزیہ و تحلیل کا عمل

پورے رسالے میں پھیلا ہوا ہے۔

یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ روایات میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر قحط سالی ہونے، بارشیں بند ہونے وغیرہ کی وعیدیں آئی ہیں اور یہ بات بھی واضح ہے کہ نصاب خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا دونوں اعتبار سے صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام نہ کرنے میں مسلمان بڑی کثرت سے مبتلا ہیں۔

چنانچہ اس کے موعودہ روحانی اثرات ومضرات بھی پھر اسی وسعت کے ساتھ مرتب ہو رہے ہیں۔ بارشوں میں کمی، پانی کے ذخیروں میں کمی، اناج غلوں کی قلت، مہنگائی اور مصنوعی بحران، پورے معاشی سسٹم کا دیوالیہ پن اور افراطِ زر کی شرح میں غیر معمولی اضافہ، اور اموال میں بے برکتی وغیرہ اس سارے بگاڑ کا بڑا سبب مال کے آمد وخرچ میں شریعت کے احکام کو پائمال کرنا اور زکوٰۃ وغیرہ مالی حقوق واجبہ پورے نہ کرنا ہے۔

اس لئے اہلِ علم اور داعیانِ حق کے لئے معاشرتی بگاڑ کے روک تھام کے لئے کرنے کا ایک بڑا کام یہ بھی ہے کہ مال کے آمد وخرچ اور زکوٰۃ وصدقات واجبہ وغیرہ کے متعلق شریعت کے ضروری احکام اور ان کی پائمالی پر مرتب ہونے والے نقصانات ونحوستیں عامۃ المسلمین کے سامنے خوب واضح کریں اور اس جرم وکوتاہی سے باز آنے کی طرف لوگوں کو متوجہ کریں تاکہ ان ضروری احکامِ شرع میں عمومی واجتماعی کوتاہی ونافرمانی کر کے ہم جن عمومی واجتماعی آفات ومہلکات میں مبتلا ہو رہے ہیں ان سے گلوخلاصی نصیب ہو۔

قربانی کے وجوب کے نصاب کے حوالے سے البتہ مخصوص احوال میں حضرت جی دامت برکاتہم نے بھی چاندی کے بجائے سونے کے نصاب پر مدار رکھنے کی لچک اور گنجائش ہونے کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے اس کی روایتی ودرایتی وجوہات مقالے میں پیش کر دی گئی ہیں جن سے قربانی کے وجوب کے نصاب کا معاملہ کرنسی اور مالِ تجارت وغیرہ کے نصاب سے مختلف ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

بندہ کی حیثیت تو اس معاملہ میں فقہ کے ایک طالب علم ہونے کی وجہ سے ایک خوشہ چین اور استفادہ کرنے والے کی ہے اس حیثیت کے پیشِ نظر مقالہ کے مطالعہ واستفادہ سے جو تاثر ذہن

میں قائم ہوا وہ عرض کردیا۔

خوشہ چین

محمد امجد حسین، ۶/ محرم ۱۴۳۰ھ/۴/ جنوری ۲۰۰۹ء یوم الاحد

مولانا مفتی ریاض محمد صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء دارالعلوم تعلیم القرآن، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی و مکرمی حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماہنامہ التبلیغ کا علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۴ متعلقہ ''مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار'' موصول ہوا، بندہ اس سے مستفید ہوا، اس بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ ہوا، آپ کی تحقیق قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے۔ فقط

ریاض محمد، ۱۴۳۰/۱/۸ھ

دارالافتاء تعلیم القرآن راولپنڈی

مولانا محمد قاسم چلاسی صاحب زید مجدہٗ

(مدرسہ عثمانیہ تعلیم القرآن محلّہ مسجد بلال کلر سیداں راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب مجدہٗ

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر و عافیت ہوں گے۔

علمی و تحقیقی سلسلہ نمبر ۱۴ ''مالِ تجارت اور کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار'' موصول ہوا، بعض اعذار کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوگئی، معذرت خواہ ہوں۔

الحمدللہ اول تا آخر بغور مطالعہ کیا، ماشاء اللہ نہایت مدلل اور تحقیقی رسالہ ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرماوے (آمین)

بندہ زیرِ بحث مسئلہ میں جناب کی تحقیق سے متفق ہے، نیز فقہائے کرام کی تصریحات، فقراء کے نفع، عبادات میں احتیاط، چاندی کے دلائل کی قوت، یہ سارے امور اموالِ زکوٰۃ میں وجوبِ زکوٰۃ کیلئے چاندی کے نصاب کے راجح ہونے پر دال ہیں، اسی لئے چاندی کے نصاب ہی کو زکوٰۃ کی فرضیت اور حرمت کے لئے معیار مقرر کرنا معتبر اور راجح ہے۔

والسلام

محمد قاسم چلاسی، ۱۳/ ربیع الثانی/ ۱۴۳۰ھ 10/4/2009

مدرسہ عثمانیہ تعلیم القرآن محلّہ مسجد بلال کلر سیداں راولپنڈی

ختم شد